

# اسلام کے جاننا



DATA ENTERED

فرخ امرتسری

قیمت دو روپے

ناشران - لائین پریس لاہور



۲۹۲۳۹۹۲  
۱۷۲۱۹  
۲۲۲۰

DATA ENTRY

# اسلام کے جانتناز

اسلامی تاریخ کا تابناک باب۔ فداکارانِ اسلام  
کا حریت افروز منظر یہ۔ میدانِ کارزار کا تہوڑا جینز  
نقشہ۔ چلتی تلواروں اور تیشی ہوئی لاشوں کا  
ہیبت ناک نظارہ۔ فتوحاتِ اسلامی کا شاندار  
اور معنی نینز صحیفہ۔

از  
نشی غلام قادر فرخ امرت سمری

نیاز مند اپنی ناچیز مساعی کے ٹوشگندہ پھول

جو

خونِ دل کے رنگ و بو سے بہکتے ہوئے

صفحہ قرطاس پر آئے ہیں

نہایت خلوص و احترام سے

اُن بے شمار جانبازوں کی لافانی رُوحوں

پر

نثار کرتا ہے

جنہوں نے دین و ملت کے قیام و بقا کی خاطر

تہاں دوزِ مستی میں اپنا سب کچھ قربان کر دیا

فرخ

# فہرست مضامین

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۳۵	میدان جنگ میں	۷	بدرگاہِ رب العالمین (نظم)
۴۸	حضرت امیر حمزہ <sup>ؓ</sup>	۱۰	درسِ حیات
۵۱	ایشیا کی اعلیٰ ترین نظیر (نظم)	۱۴	{ اسلام کے جان نیاز۔
۵۲	خلفائے راشدین کی شہادت	۱۶	{ مجاہدِ عظیم
۶۰	خلافتِ فاروقی کا ایک واقعہ (نظم)	۲۳	بعضورِ خیر البشر (نظم)
۶۳	جنگِ یرموک	۲۴	صدیقِ اکبر
۶۴	شہیدِ کربلا	۲۶	صدیق (نظم)
۷۷	حضرت عباس <sup>ؓ</sup> ابنِ علی <sup>ؓ</sup>	۲۹	کفار کے وحشیانہ مظالم پہلی قرآنی

۱۲۹	شیخ جمال الدین افغانی	۸۰	عبداللہ بن زبیر
۱۵۳	شعرا و ادب پر منظام	۸۵	محمد بن قاسم
۱۶۰	انور پاشا	۸۸	حضرت عمر بن عبدالعزیز
۱۶۴	فتح اور نہ (نظم)	۹۳	خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کا انصاف (نظم)
۱۶۶	مصطفیٰ کمال پاشا	۹۵	حضرت امام ابو حنیفہ
۱۶۱	کلام مجید کی عظمت (نظم)	۹۹	فاسخ اندلس
۱۶۳	سردار احمد علی جان کی شہادت	۱۰۲	بایزید پلدرم
۱۶۸	شاہیں کی موت (نظم)	۱۰۸	حافظ پاشا کا قتل
۱۶۹	ناور شاہ شہید	۱۱۰	اندلس کے مسلمانوں پر منظام
۱۸۳	شہیدان پشاور	۱۱۶	وشہیدان ملت
۱۸۹	حادثہ مسجد شہید گنج لاہور	۱۲۱	موت پر فتح
۱۹۲	ایک ہیبت ناک خونیں حادثہ	۱۲۶	ٹلیپو سلطان
۱۹۴	نگاہِ وائیس (نظم)	۱۳۰	سلطان ٹلیپو کی وصیت (نظم)
۱۹۸	زعیم پاکستان		سلطنتِ اسلامی کا آخری تاجدار
۲۰۰	وہ ناخدا (نظم)	۱۳۱	بہادر شاہ ظفر
۲۰۲	صدیق دکن		مصر کا پہلا عوامی لیڈر
۲۰۸	دعوت	۱۳۳	

# بدرگاہِ رب العالمین

یا الہی! اگر ہی یہ، وحشت و ہشت ناک میں  
مجم بھٹکتے پھر رہے ہیں جاوہ منزل سے دور  
وہ ضمیرِ حقی پرستی ہو گیا ہوا خاموش کیوں؟  
قریب باطل ہے پسند اب تجھے کبھی باطل سے دور  
واپسے امواجِ تلاطم زائیں سد کام نہنگ  
جا رہے ہیں شورشِ طوفان میں ساحل سے دور  
ہو گیا ہے سرد سوزِ جذبہ پر وائیگی  
مثیل دودِ شمع افسردہ ہوتے محفل سے دور  
الحمد! دل میں نہیں شوقِ شہادت کی تڑپ  
جاں نکلتی جا رہی ہے خنجرِ قاتل سے دور



ہو رہی ہے طعمہٴ مورو بلخ کشتِ آمل  
 ہم غمِ بربادی حاصل میں ہیں حاصل سے دود  
 آہ! رنجِ بے دلی نے کر دیا بے دل ہمیں  
 دل ہوا ہے ہم سے دود اور ہم بھٹتے ہیں دل سے دود  
 کہہ رہی ہے قلیں بیدل سے نسیم آہ سرد  
 طالبِ لیلے ابھی ہے ناقہٴ محمل سے دود  
 در صراطِ زندگی گردِ سرِ راہے شمیم  
 پائمال رہو اداں مثلِ پر کا ہے شمیم  
 وہ بھی دن تھے۔ تا سوا اللہ کی آنکھن نہ تھی  
 منکشف ہم پر ہوا تھا عقدہٴ رازِ احد  
 ہم مٹے بھی تو غبارِ راہ اللہ ہو ہوئے  
 آرہی تھی خاک کے ذروں سے آوازِ احد  
 ایک ہے ہمیشہ ہے میرا خدا کے لاشریک  
 جاں بلب ہو کر بھی کہتا کشتہٴ نازِ احد  
 اب صنم ہیں جا بجا۔ ہر گھر بنا بت خانہ ہے  
 ہو گیا آنکھوں سے پنہاں حُسنِ اعجازِ احد  
 کیوں ہوئے ہیں بر لبِ لاک کے ترانے دلپذیر



نغمہ اِلا کہاں؟ اور ہے کہاں سازِ اَحَد  
 ہو گئے شاہیں بچے محبوبسِ دَامِ بے خودی  
 محو حیرت ہے عقاب تیز پروازِ اَحَد  
 ہو رہی ہے نامِ پراسلام کے تبلیغِ کفر  
 بتلائے شرک ہیں مردانِ جانبازِ اَحَد  
 پھر عطا ہم بے پرووں کو طاقتِ پروازِ کر  
 پاک ہو زراغ و زغن سے ارضِ شہبازِ اَحَد  
 شورِ غیر اللہ سے فرخِ فضا معمود ہے  
 دم بخود ہیں طوطیاں نغمہ پروازِ اَحَد  
 حق پرستانِ راعطا جانبازیِ منصور کن  
 فتنہ اصحابِ فیل از کعبہ ما دور کن

فرخ

دیتے رہے۔ جب تک اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوئے۔ ان کے  
دل سے ہر دم یہ صدا نکلتی تھی۔

دست از طلب ندارم تا کام من برآید  
یا جاں رسد بجاناں یا جاں زتن برآید۔

پیشمار بہادر ایسے گزرے ہیں، جنہوں نے میدانِ جدال و قتال میں  
جام شہادت نوش کیا۔ دشمنوں کے نیچے میں آئے، غلام ہو کر  
ہجے، مگر ان کے پائے ثبات میں لغزش نہ آئی۔ دشمنوں نے ہولناک  
مظالم کئے۔ لڑتے خیزا بڑا نہیں دیں۔ لیکن ان کے دل درامتزلزل  
نہ ہوئے۔ ان کے بدن نیزوں سے پھلنی ہوئے۔ اور وہ۔۔۔  
خدا ایک ہے۔ خدا ایک ہے۔ پکارتے رہے۔

ابھی لوگوں کی قربانی، جاں نثاری، اور مجاہدانہ اور العزری  
نے اسلام کو دنیا میں لازوال صورت میں پیش کیا

حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں غازیان  
اسلام کی سز و شانه پیروی نے بدترین دشمنوں کو ایسی شکست  
دی۔ کہ چند سال میں ان کا نام و نشان بکھب جاتی نہ رہا۔۔۔

نہ ابو جہل رہا، نہ ابو لہب۔ اور نہ ان کے معاون و مددگار جاتی رہے  
خالد۔ ابوالعاص، اور ابوسفیان جیسے برتری سالاران کفار کو اسلام



کے سامنے تسلیم خم کرنے کے سوا چارہ نہ رہا۔ عمر جیسے جاہلے  
 بھی قرآن کی ایک آیت سن کر کلمہ شہادت پڑھا۔  
 حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد امیر معاویہ کے اغوش میں پلے  
 ہوئے یزید نے آنحضرت صلعم کے نواسے حضرت امام حسین رضی اللہ  
 عنہ اور ان کی اولاد پر انتہائی مظالم برپا کئے۔ یہ گویا کفر اور اسلام  
 کی جنگ تھی۔ اور یزید کا خوفناک حملہ دین فطرت کو معدوم کرنے کا  
 پُرخطر اقدام تھا۔ اگر حضرت امام اس کی اطاعت قبول کر لیتے  
 اس کے ہاتھ میں دست بیعت دے دیتے۔ تو گویا عظمت اسلام  
 کا خاتمہ تھا۔ حضرت امام نے سمجھ لیا۔ کہ ان کی موت دائمی زندگی ہوگی  
 یزید نے بھی اس جو رناروا کا انجام یہ سوچا۔ کہ اب عرب اور ممالک  
 ملحقہ میں اس کی حکومت ہوگی۔ وہ شرعی قیود اور خدائی احکام سے  
 بے نیاز ہو کر عیش و عشرت کی زندگی بسر کرے گا۔ مگر بھجوائے۔ ع  
 اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد  
 یزید مر گیا۔ اور حسینؓ نے یقائے دوام کا شرف حاصل کیا۔ حسینؓ  
 کے خون نے نخل اسلام کو سنبھالا۔ وہ کربلا کے ریگزار میں پھوٹا  
 اوصافنائے عالم پر چھا گیا۔  
 قرن اولیٰ کے یہ واقعات درس حیات ہیں۔ ہمارے نوجوانوں

کے لئے جو درستی تکلیف سے گھبرا جاتے، اور اسلامی شعائر کے انحراف پر تل جاتے ہیں۔

اسلامی تاریخ کے اوراق ایسے تو ہیں واقعات کے افکار سے رنگین ہیں۔ بیشمار فرزندِ انِ اسلام نے دین کے احیاء و بقا کے لئے مردانہ دارا اپنی جاتیں نثار کیں۔ جب کبھی کفر کی زبردست آندھیاں آئیں۔ اور شمعِ توحید کو گل کرنے کی کوشش کی گئی۔ لاکھوں جاں نثار پرولنے موجود ہوئے۔ اور اپنی جاتیں قربان کر دیں۔ کسی زمانے کو دیکھو۔ کسی دور کا جائزہ لو۔ کب اسلام پر لڑہ خیر حملے نہیں ہوئے اور کب ان کے دفاع کے لئے مسرفروش بہادری سینہ سپر ہو کر میدان میں نہیں آئے۔ انہی جانبازوں کے اللوال العزما کا زمانوں نے اسلام کی عظمت کا ڈنکا چار فائنگ عالم میں بجایا۔ قیصر و کسریٰ کے غرور و تکبر کو کس نے خاک میں ملایا۔ انہی مجاہدان اسلام نے یان خداؤں کی حکومت پر بس نے تسلط جمایا، پرستان توحید نے رزدشت کے آتش کدے کس نے سر دے کئے مسلمانوں کی تیغ ابدار نے۔ لات و منات کے بت کس نے توڑے۔ سو منات کا بت کس نے پاش پاش کیا۔ بت خانوں میں نعرہ بکیر کس نے بلند کیا انہی محرانشینوں نے جو عرب کے ریگستان سے آئے۔ اور



یورپ افریقہ اور ایشیا کے بڑے بڑے ملکوں میں پرچم اسلام  
لہرا کر اپنا مقدس فرض بحال لائے۔ انہوں نے اورنگزیب عالمگیر  
نے صدیوں تک اُن وسیع وسیع ممالک پر حکومت کی۔

ٹھیک تیرہ سو سال کے بعد نہ وہ رُوح اسلام رہی نہ وہ  
دولتِ ایمان۔ انحطاط کا دور آیا۔ دشمنانِ اسلام نے تمام دنیا میں  
اپنی طاقت، سیاست اور دولت سے مسلمانوں پر عرصہ حیات  
تنگ کر دیا۔ یورپ کی مہمت سی ریاستیں چھین لیں۔ افریقی مقبوضات  
پر ہاتھ صاف کیا۔ وسط ایشیا پر اپنا تسلط جمایا۔ ہندوستان کو اپنے  
دام میں اسیر کیا۔

غرضیکہ وہ اسلام جن کے نام سے تیرہ سو سال قبل دنیا کے  
قاہر و جابر فرمانروا کا پتہ تھے۔ اب ہر کس و ناکس کے تیر حفاء کا  
نشانی بن گیا۔ یہ کیوں؟ مسلمان فرمانرواؤں کی مطلق العنانی۔ آرام  
طلبی اور عیش پسندی اور عامۃ المسلمین کے باہمی افتراق، سہل انگاری  
اسلام اور روایاتِ اسلام سے بے پروائی و بیگانگی کے باعث۔  
اگست ۱۹۴۷ء کے ہولناک واقعات ہمارے سامنے ہیں  
مشرقی پنجاب میں جدال و قتال کا بازار گرم ہوا۔ جا بجا کر بلائی مناظر  
دیکھے گئے۔ پندرہ لاکھ فرزندِ انِ اسلام و خواتینِ ملت کا قتل عام ہوا

ان کی جائیدادیں چھن گئیں۔ عزت و حرمت برباد ہوئی۔ اور جو باقی رہے  
انہیں خانہ بدوشی کی مصیبت برداشت کرنی پڑی۔

مگر بہت کم لوگ تھے جن میں قربانی کا جذبہ بروئے کار تھا۔  
جنہیں اسلامی غیرت ملحوظ خاطر تھی۔ وہ پاکستان آئے اور ہاجر و پناہ گیر  
کہلائے۔ جہاں آئے انہوں نے انصار کا فرض ادا نہ کیا۔  
ہاجر انصار کو کوسنے لگے۔ اور انصار نے ہاجرین پر زہرا گلا۔  
اگر صحیح اسلامی روح ہم میں موجود ہوتی۔ اور ایک ہزار کے

مقابلے ۱۲ کی فتحیابی کا جذبہ دلوں میں کار فرما ہوتا۔ تو ہمارا سیلاب  
ورپائے راوی کی طرف رخ کرنے کی بجائے نئی دہلی کی طرف جاتا۔  
اور گنگا جمنائیں طوفان برپا کر دیتا۔

آہ! آج لال قلعہ کا تصور ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔  
جامعہ شاہجہان اور قطب مینار کی تصویریں دیکھ کر سر و آپہں مہرتے  
ہیں۔ اور تاج محل کی دائمی محرومی پر اشک حسرت بہاتے ہیں۔  
فرزندِ ان اسلام! اس کتاب میں مسلمان بہادروں کے حالات  
پڑھو۔ اپنے ماضی کو یاد کرو۔ اپنا حال دیکھو اور مستقبل کو ایسا شاندار بناؤ  
جیسا آج سے تیرہ سو سال پہلے تھا۔

نیاز مند  
فرخ امرتسری

لاہور پاکستان  
یکم جون ۱۹۵۱ء



# اسلام کے جاننا

مجاہد اعظم

جب تمام دنیا میں کفر کا اندھیرا پھیلا ہوا تھا عرب خاص کر تمام برائیوں کا مسکن تھا۔ اس وقت ایک ایسے مجاہد کی ضرورت تھی جو شرک کی تاریکیوں کو کافور کر کے وحدانیت کی طمت پاشش شمع روشن کرے۔ جس نورانیت سے تمام دنیا جگمگا اٹھے۔ چنانچہ خداوند کریم نے حضرت سول اکرم کو دنیا میں بھیجا اور ایسے شہر میں ان کا نزول اجلال ہوا۔ جہاں حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا تعمیر کردہ خانہ کعبہ بتوں کا گھر بنا ہوا تھا۔ سب خدا کو بھول چکے تھے۔ اور جو خدا کا نام لیتا تھا۔ اس کی جان کی خیر نہیں تھی۔ اس کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا جاتا تھا۔

حضرت محمد صلعم چالیس برس تک حالات کا معاشرہ کرتے  
عوام کے انسانیت سوز اعمال کو دیکھتے اور تزکیہ نفس میں مصروف  
رہے۔ جب آپ اپنی قدرتی تعلیم کی تکمیل کر چکے تو خدا تعالیٰ نے  
آپ کو وحی کے ذریعے نبوت کا شرف عطا فرمایا۔

اس مشرورہ جانفزا سے سب سے پہلے ام المؤمنین حضرت  
خدیجہ آنحضرت کی زوجہ محترمہ متاثر ہوئیں۔ انہوں نے اسلام قبول  
کیا۔ اس کے بعد حضرت علیؑ پھر آنحضرت کا غلام زید اور حضرت  
ابوبکر صدیق مشرف باسلام ہوئے۔ بعد ازاں حضرت عثمانؓ حضرت  
زبیرؓ حضرت عمرؓ اور حضرت عبدالرحمنؓ بن عوف دین فطرت کے  
حلقہ بگوش ہوئے۔ اور رفتہ رفتہ بہت سے لوگ حضرت پیغمبر خدا  
کی نبوت پر ایمان لائے۔

لیکن جب آفتاب اسلام کی روشنی پھیلنے لگی۔ اور اس کی  
تیز کرنیں کفر کے سینے کو تیروں کی طرح چھیدنے لگیں تو کافر تڑپ  
اٹھے اور اس پر پردہ ڈالنے کے لئے میدان میں نکل آئے۔ اور اس  
شمع ہدایت کو پھونکوں سے بجھانے کی مفسدہ خیز حرکات کرنے لگے۔  
تین سال تک تو چپکے چپکے خاموشی سے پوشیدہ طور پر اسلام  
کی تبلیغ ہوتی رہی۔ لیکن جب آپ نے کھلم کھلا عوام کو راہ راست

پر آنے کی تلقین شروع کی۔ تو تمام قبیلہ قریش ان کا دشمن ہو گیا آنحضرت  
 کے ماں باپ تو پہلے ہی فوت ہو چکے تھے۔ دادا عبدالمطلب بھی رحلت  
 کر گئے۔ ان کے بعد چچا ابوطالب نے کفالت اختیار کی۔ قبیلہ قریش  
 کے سربراہ اور وہ لوگوں نے ان پر دباؤ ڈالا۔ کہ وہ اپنے بھتیجے کو منح  
 کریں۔ اور اس کے عوض وہ جو چاہیں۔ ہم انہیں دینے کے لئے تیار  
 ہیں۔ ہم اپنے بتوں کی مذمت پر داشت نہیں کر سکتے۔ ابوطالب  
 نے بہت سمجھایا۔ اپنی مجبوریوں کا اظہار کیا۔ تو آنحضرت نے نہایت  
 تحمل اور ادب سے جواب دیا۔

”اے چچا! خدا کی قسم۔ اگر یہ لوگ میرے ایک  
 ہاتھ میں سورج اور دوسرے ہاتھ میں چاند لاکر دیں  
 تو بھی میں اپنے فرض سے باز نہ آؤں گا۔ یا تو اسلام  
 پھیل کر رہے گا۔ یا میں خود اس پر قربان ہو جاؤں گا۔“  
 یہ الفاظ آنحضرت نے اس جوش اور خلوص سے کہے کہ آپ  
 کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ ابوطالب نے آپ کی یہ کیفیت  
 دیکھ کر کہا۔

”اے میرے عزیز! جو دل چاہے کرو۔ میں تمہارا ساتھ ہرگز  
 نہ چھوڑوں گا۔“



آپ کا استقلال اور عزم دیکھ کر حضرت عمرؓ اور حضرت حمزہ  
بھی اسلام لے آئے۔

جب قریش نے دیکھا کہ اسلام پھیل رہا ہے اور معمولی <sup>نفت</sup>  
سے اس کا رکنا محال ہے تو سب قبائل نے جمع ہو کر یہ فیصلہ کیا  
کہ ہاشمی خاندان کو ایک جگہ محصور کر کے تباہ و برباد کیا جائے۔ نہ  
کوئی ان سے ملے۔ نہ کوئی چیز ان کو کھانے کے لئے دی جائے۔ اور  
یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہے۔ جب تک وہ محمد (صلعم) کو  
ہمارے حوالے نہ کر دیں۔

یہ نبوت کا ساتواں سال تھا۔ آنحضرت اور ان کا خاندان تین  
سال ایک پہاڑ کے درہ میں محصور رہے۔ اور کافروں نے ہر طرح  
تکلیفیں دیں۔

جب رسول خدا و عطا فرمایا کرتے۔ تو ابولہب (چچا) ساتھ ساتھ  
کہتا جاتا تھا۔ کہ یہ جھوٹ کہتا ہے۔ راہ چلتے آپ پر کوزا کرکٹ  
پھینکا جاتا۔ آپ کا مذاق اڑایا جاتا تھا۔

ایک دفعہ آپ کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے۔ عقبہ نے آپ کی  
گردن میں چادر لپیٹ کر بڑے زور سے کھینچا۔ ایک دفعہ آپ  
سجدے میں تھے۔ آپ کے سر پر ایک کافر نے اوجھ ڈال دی۔

طائف میں تبلیغ کے لئے گئے اور وعظ فرمانے لگے۔ تو ایک شخص  
 نے بلند آواز سے کہا۔ "خدا کو تیرے سوا کوئی اور آدمی نہ ملتا تھا۔"  
 اور طرح طرح کی پھبتیاں اڑانے لگے۔ اس پر یہی بس نہ کی بلکہ کافرو  
 نے شہر کے بد معاشوں کو ابھارا۔ وہ راستے کے دونوں  
 طرف قطار میں باندھ کر کھڑے ہو گئے جب آپ ان کے درمیان  
 سے گذرے۔ تو انہوں نے آپ کے پاؤں پر پتھر برسائے شروع  
 کئے۔ آپ زخموں سے چور ہو کر بیٹھ جاتے۔ تو وہ بد بخت آپ کا  
 بازو تھام کر کھڑا کر دیتے اور کہتے کہ — "جاؤ۔ یہاں تمہارے  
 مٹھرنے کا کیا کام ہے۔" جب پھر چلتے تو پتھر مارتے۔ گالیاں دیتے  
 اعدتالیاں بجاتے۔ پتھروں کی بوچھاڑ اس قدر ہوئی کہ آپ کی جوتی  
 لہو لہان ہو گئی۔

ایک دفعہ خیاب نامی مسلمان نے کافروں کے مظالم سے تنگ  
 آکر عرض کیا۔ کہ آپ ان کے حق میں بددعا کیوں نہیں کرتے —  
 یہ سن کر آپ کا چہرہ مبارک سرخ ہو گیا اور آپ نے فرمایا —  
 تم سے پہلے ایسے لوگ گذر چکے ہیں جن کے سروں پر آرسے چلائے  
 گئے جن کو چیر کر دو ٹکڑے کر دیا گیا۔ جن کی کھال کھینچی گئی۔ لیکن وہ  
 پھر بھی اپنے فرض سے باز نہ آئے۔ خدا کی قسم! اسلام پھیل کر رہے گا۔

کافروں کے ظلم سے تنگ آکر آپ نے مدینہ کو ہجرت کا ارادہ کر لیا۔ کافروں کو بھی علم ہو گیا۔ رات بھران کے مکان کا محاصرہ کر رکھا۔ اور قتل کے لئے چند ایک آدمی متعین کر دیئے۔ لیکن آپ اس رات حضرت علیؓ کو اپنے بستر پر لٹا کر وہاں سے چلے گئے۔ کوہِ نور میں پہنچے۔ وہاں حضرت ابوبکر صدیق نے پہلے ہی ایک غار صاف کر رکھی تھی۔ اور آپ سو گئے۔

جنگِ احد میں آپ دشمنوں کے ترغے میں گھر گئے۔ کسی کافر نے پتھر مارا۔ اور آپ کا دانت شہید ہو گیا۔ پھر عبداللہ بن تمیہ نے چہرہ مبارک پر تلوار مار دی۔ اس سے خود کی دو کڑیاں چہرہ مبارک میں چبھ گئیں۔ جو حضرت ابو عبیدہ بن جراح نے دانتوں کے زور سے نکالیں۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سے زخم لگے۔

لیکن آپ جہاں نثاروں کے تعلقے میں نہایت استقلال سے کھڑے یہ کہتے رہے۔

”اے خدا! میری قوم کو بخش دے۔ کیونکہ وہ نہیں جانتے۔“



زمانہ نبوت سے لے کر آخری عمر تک آنحضرت نے جو جو  
مصائب برداشت کئے، اور جو جو تکلیفیں اٹھائیں۔ زبانِ قلم  
ان کے بیان کرنے سے قاصر ہے۔

کسی موقعہ پر ایک صحابی بہت مضطرب ہوا۔ اور دشمنوں  
کے شور و شر سے گھبرا گیا۔ آپ نے اسے تلقین کی :-

”گھبراؤ مت۔ اسلام پھیل کر رہے گا۔ یہاں  
تک کہ ایک سوارِ عہرہ موت تک سفر کرے گا  
اور اسے خدا کے سوا کسی کا ڈرنہ ہوگا۔“

## بجنور خیر البشر

گھنے اندھیرے میں چاند بن کر فضاؤں کو جگمگانے والے  
 کوئی دیکتی کریں ادھر بھی، نظر نظر میں سما نے والے  
 وہ رحمتوں کا جمال سا وہ تری جس سے برس رہا ہے  
 پلک پلک جن کو چومتے ہیں تجھے دلوں میں بسانے والے  
 تری محبت کی چاندنی میں ہزار منزل نکھر چکی ہے  
 نگر بڑھے جا رہے ہیں ترے خیال سے لو لگانے والے  
 نظر نظر تمللا اٹھی ہے۔ ادا اس راہوں کی الجھنوں سے  
 کوئی اشارہ قدم قدم شمع رہ گزرنے کے آنے والے  
 یہ دور بھی تیرے بعد دیکھا بشر نہیں مطمئن بشر سے  
 تڑپ رہے ہیں تڑپنے والے ستارے ہیں ستارے والے  
 غلط سیاست کے معبدوں میں سنہرے معبود کون پوجے  
 بس ایک جلوہ، ہر اک زمانے میں بت سکین بن کے آنے والے  
 بجنور بجنور ہے سکوتِ وریا، مٹا مٹا ہے نشانِ سال  
 ترے سوا اب کیسے پکاریں ترے لئے جی سے جانے والے

(قبیل شقائی)

## صدیق اکبر رضی

حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفہ اول۔ بڑے بہادر۔ بے خوف اور ان حق پرست لوگوں میں سے جنہوں نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا۔ کفار کے بے پناہ حملوں اور ان کے زہرہ گداز مظالم کا سینہ سپر ہو کر مقابلہ کیا۔ آپ آنحضرتؐ صلعم کے مخلص جاں نثار اور ہر مرحلے پر اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لئے تیار رہتے تھے۔ ہجرت کی رات جب آنحضرتؐ کوہ ثور پر پناہ گزیں ہوئے تو حضرت ابوبکر صدیقؓ پہلے ہی وہاں موجود تھے۔ غار کو خوب صاف کیا اور اس کے تمام سوراخ اپنا کپڑا پھاڑ پھاڑ کر بند کئے۔ ایک سوراخ باقی رہ گیا۔ جب آپؐ سو گئے۔ تو اس سوراخ کے آگے اپنی ابیڑی رکھ دی۔ سانپ نے کاٹ لیا۔ مگر حضرت صدیقؓ نے



ات تک نہ کی۔ اور ایرٹھی وہاں رہنے دی۔ جب آنحضرت بیدار ہوئے۔ تو آپ تکلیف میں تھے۔ پوچھا: "یا ابوبکر صدیق کیا بات ہے۔ وجہ بتائی۔ تو حضورؐ نے جائے ماؤف پر لب لگایا۔ اور درو جاتا رہا۔"

ایک جنگ کے موقع پر مانی ضرورت پیش آئی۔ تو سب صحابہ نے حسب استطاعت امداد دی۔ مگر حضرت ابوبکر صدیق نے اپنا سب کچھ لاکر حضرت کے قدموں پر ڈال دیا۔ جب پوچھا: "اپنے لئے بھی کچھ رکھا ہے۔" تو جواب دیا: "میرے لئے خدا اور خدا کا رسول کافی ہیں۔" حضرت رسولؐ خدا کی وفات کے بعد آپ جب مسندِ خلا پر بیٹھے۔ تو بیشتر مشکلات درپیش تھیں۔ مگر آپ ان سب پر غالب آئے۔

جھوٹے مدعیانِ نبوت۔ مرتد اور باغی۔ منکرینِ زکوٰۃ وغیرہ کا قلع قمع کر کے میدان صاف کیا۔

حضرت اسامہ کی مہم شام کی طرف روانہ ہوئی۔ تو حضرت ابوبکر صدیق مصاووت کے لئے پیدل اسامہ کے گھوڑے کیساتھ چلنے لگے۔ اسامہ نے کہا: "یا امیر المؤمنین! آپ گھوڑے پر سوار

ہوں۔“

فرمایا ————— ”میں نہ گھوڑے پر سوار ہوں گا۔ اور نہ تم کو اترنے کی اجازت دوں گا۔“

”میرے شام پر عیسائیوں کا زور دیکھ کر ایک زبردست لشکر روانہ کیا۔ قیصر بہر قل شہنشاہ روم خود مقابلے میں آیا۔ جنگ میں رومیوں کے ۲۰ ہزار آدمی مارے گئے اور مسلمانوں کے ۳ ہزار شہید ہوئے۔ اس شکست سے قیصر روم کو سخت صدمہ ہوا۔ اور وہ حمص سے جاتے وقت یہ کہتا گیا:۔“ اے شام! تجھ کو میرا آخری سلام۔“

حضرت ابو بکر صدیق نہایت رحم دل، خیر اندیش اور نیک طبیعت تھے۔ حضرت رسول خدا کے بعد صرف سوا دو سال خلافت کا جو کام انجام دیا۔ وہ کسی دوسرے سے ممکن نہ تھا۔

۱۔ اسلام کی تبلیغ۔

۲۔ سلطنت کی توسیع۔

۳۔ بغاوت وغیرہ کا انداد۔

نزع کے وقت اسلام کی محبت دل میں بیقرار اور کلمہ

طیب زبان پر تھا۔

## صدیق مرتضیٰ

اک دن رسول پاک نے اصحابؓ سے کہا  
 ہیں مال راہِ حق میں جو ہوں تم میں مال دار  
 ارشاد سن کے فرطِ طرب سے عمرؓ اٹھے  
 اس روز ان کے پاس تھے درہم کئی ہزار  
 دل میں یہ کہہ رہے تھے کہ صدیقؓ سے ضرور  
 بڑھ کر رکھے گا آج قدم میرا راہِ ہوا  
 لئے غرض کہ مال رسولؐ میں کے پاس  
 ایشا رکھی ہے دست نگرابتدائے کار  
 پوچھا حضورؐ سرورِ عالم نے اے عمرؓ  
 انے وہ کہ جوشِ حق سے تیرے دل کو بے قرار  
 رکھا ہے کچھ عیال کی خاطر بھی تو نے کیا  
 مسلم ہے اپنے خویش و اقارب کا حق گزار

کی عرض نصف مال ہے فرزندِ وزن کا حق  
 باقی جو ہے وہ ملت بیضا پر ہے نشار



اتنے میں وہ رفیقِ نبوت بھی آگیا،  
 جس سے بنائے عشق و محبت ہے استوار  
 لے آیا اپنے ساتھ وہ مردِ صفا سرشت  
 ہر چیز جن سے چشمِ جہاں میں ہوا اعتبار  
 پلکِ مین و درہم و دینار و رختِ چین  
 اسپِ قرسم و شتر و خاطر و ہمار  
 بولے حضورؐ۔ چاہئے نہ کہ عیال بھی  
 کہنے لگا۔ وہ عشق و محبت کا راز دار  
 اے تجھ سے دیدہٴ مہ و انجم فروغِ گیر  
 اے تیری ذاتِ باعثِ تکوینِ روزگار  
 ”پر والے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس  
 صدیق کے لئے ہے خدا اور رسول بس“

(علامہ اقبال)

# کفار کے وحشیانہ نظام

پہلی قرآنی

فداکاران اسلام کی تعداد جب چالیس سے اوپر ہو گئی۔ تو آنحضرتؐ نے کعبہ میں جا کر اعلان کر دیا: خدا ایک ہے۔ اللہ کا کوئی شریک نہیں۔

وہ کافر جو ۳۶ بتوں کو خدا مانتے تھے۔ ایک خدا کی آواز سن کر بھڑک اٹھے۔ اور رسولؐ خدا پر چاروں طرف سے ٹوٹ پڑے یہ دیکھ کر حارث بن ابی حالہ بچانے کے لئے آگے بڑھے۔ تو ظالموں نے ادمر ادمر سے ان پر تلواروں کے اتنے وار کئے۔ کہ وہ شہید ہو گئے۔ یہ پہلی قرآنی تھی۔ جو اسلام کی بقا کے لئے راہِ خدا میں پیش کی گئی۔

## بے رحم بھائی

حضرت عمرؓ ابھی مشرف باسلام نہ ہوئے تھے۔ انہیں معلوم ہوا کہ ان کی بہن فاطمہ اور اس کا خاوند سعید دونوں مسلمان ہو چکے ہیں۔ وہ شمشیر بکف فوراً ان کے گھر پہنچے۔ فاطمہ قرآن شریف پڑھ رہی تھیں۔ عمر کو دیکھ کر فوراً قرآن شریف کے ورق چھپا دیئے اور خاموش ہو گئیں۔

عمر نے پوچھا: "تو کیا پڑھ رہی تھی؟"

بولیں: "کچھ نہیں"

عمر کہنے لگے: "میں نے سنا ہے۔ تم دونوں مرتد ہو گئے ہو۔ یہ کہہ کر بہنوئی کو پکڑ لیا جب فاطمہ بچانے کو دوڑیں تو اسے اس قدر مارا کہ غریب لہو لہان ہو گئیں۔ لیکن اسلام کی روح ان کے رگ و ریشہ میں سما چکی تھی۔ انہیں ایسی سختیوں کی کیا پروا تھی۔ فاطمہ نے پکار کر کہا:۔

"اے عمر جتنا زور چاہو گا لو۔ اسلام ہمارے

دل سے نہیں نکل سکتا۔"

ان نغظوں کا اثر عمر کے دل پر بے حد ہوا۔ بہن کی طرف نگاہ



کی۔ تو اس کے بدن سے لہو جاری تھا۔ یہ دیکھ کر ان کا دل بھی نرم ہو گیا اور کہنے لگے۔ جو تم پڑھتے تھے مجھے بھی سناؤ۔“  
 فاطمہ نے قرآن کے ورق لا کر سامنے رکھ دیئے۔ پھر اٹھا کر پڑھنے لگے۔ جوں جوں پڑھتے جاتے تھے۔ اُن کے دل پر اثر ہوتا جاتا تھا۔  
 جب اس آیت پر پہنچے۔ خدا اور اُس کے رسول پر ایمان لاؤ۔“  
 فوراً پکار اُٹھے۔

اشھد ان لا الہ الا اللہ

(میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی عبادت کے قابل نہیں)

## ایمان کی آزمائش

آنحضرتؐ کے بڑے بڑے صحابہ پر قریش کا کوئی بس نہ چلتا تھا۔ اور جانتے تھے کہ وہاں سے اینٹ کا جو اب پتھر ملے گا لیکن جو مسلمان کمزور تھے۔ اُن پر انہوں نے طرح طرح کے ظلم کئے غریب مسلمانوں کو پکڑتے تیز دھوپ میں گرم ریت پر لٹاتے چھاتی پر بھاری پتھر رکھتے۔ کہ کروٹ نہ بدل سکیں۔ جلتی ریت بدن پر بچھاتے۔ گرم لوہے سے جسم داغتے اور پانی میں غوطے دیتے

حضرت بلالؓ قریش کے ایک مشہور رئیس اُمیہ کے غلام تھے۔ وہ انہیں ٹھیک دوپہر کے وقت گرم ریت پر لٹاتا۔ سینے پر بھاری پتھر رکھتا۔ اور کہتا۔ کہ اسلام سے پھر جا۔ لیکن بلالؓ یہی کہتے۔  
خدا ایک ہے۔۔۔۔۔ خدا ایک ہے۔“

جب اس طرح وہ اسلام سے نہ پھرے۔ تو اُمیہ نے ان کے گلے میں رسی باندھی۔ لونڈوں کے حوالے کیا۔ کہ انہیں شہر میں گھسیٹتے پھریں۔ لیکن وہ پھر بھی زبان سے ”اَحَدٌ — اَحَدٌ“ (خدا ایک ہے۔ خدا ایک ہے) پکارتے تھے۔

عمار بن یاسرؓ ایک بے یار و مددِ غیب الوطن تھے۔ دنیاوی وجاہت بھی حاصل نہ تھی۔ والدہ سمیہ ابھی غلامی سے آزاد نہ ہوئی تھی۔ اس کے باوجود جوشِ ایمان سے مجبور ہو کر اسلام کا اعلان کر دیا۔ مشرکین نے ان کے خاندان کو لاجار و مجبور دیکھ کر سب سے زیادہ تختہٴ مشقِ ستم بنایا۔ طرح طرح کی اذیتیں دیں۔ دوپہر کے وقت پتی ریت پر لٹایا۔ دہکتے ہوئے انگاروں سے جلایا۔ گھنٹوں پانی میں غوطے دیئے۔ لیکن اتنی سختیوں کے باوجود اسلام پر قائم رہے۔

سمیہ کو ابوہریرہؓ نے اپنے نرے سے وحشیانہ طور پر شہید کیا۔ تاریخِ اسلام میں یہ دوسری عبرت ناک شہادت تھی جو ایک ضعیف العمر عورت کو نصیب ہوئی۔

والد حضرت یاسر اور بھائی حضرت عبداللہ بھی کفار مکہ سے ازیتیں لکھا اپنے مولا جا۔  
 ایک دفعہ حضرت عمار کو دیکھتے ہوئے انگاروں پر لٹا دیا۔ آنحضرت  
 اس طرف سے گزرے۔ تو ان کے سر پر دست مبارک پھیر کر فرمایا۔  
 ”اے آگ! تو ابراہیم کی طرح عمار پر ٹھنڈی ہو جا۔“  
 جب آپ ان کے گھر کی طرف سے گذرتے اور خاندان کو  
 بتلائے مصیبت دیکھتے۔ تو فرماتے۔

”اے آلِ عمار! تمہیں بشارت ہو۔ جنت تمہاری

منتظر ہے۔“

ضعیفی کے عالم میں جن لوگوں نے حضرت عمار کی پیٹھ منگی  
 دیکھی تھی۔ وہ بیان کرتے ہیں۔ کہ اس وقت تک کثرت سے سیاہ  
 لکیریں پتی ہوتی ریت اور دیکھتے ہوئے انگاروں کے داغ ان  
 کی پیٹھ پر موجود تھے۔

حجاب۔ ایک مسلمان تھے۔ قریش نے کوئلے جلا کر  
 زمین پر بچھائے۔ اور انہیں کوئلوں پر چت لٹا دیا۔ ایک شخص ان  
 کی چھاتی پر چڑھ کر کھڑا ہو گیا۔ کہ کروٹ نہ بدل سکیں۔ جب تک  
 کوئلے پڑے پڑے ٹھنڈے نہ ہو گئے۔ انہیں لٹائے رکھا۔

صہیب کو قریش نے سخت ایذا میں دیں۔ ان کو اس

قدر مارتے کہ ان کے حواس میں فرق آجاتا۔ اور انہیں یہی کہتے  
 کہ اسلام سے پھر جاؤ۔ مگر وہ کب مانتے تھے۔ جب یہ بیچارے  
 ہجرت کر کے مدینے کو چلے۔ تو کافروں نے ان کا تمام مال و اسباب  
 ضبط کر لیا۔

ابو فکیہ کے پاؤں میں اُمیہ نے رسی ڈالی۔ اور آدمیوں  
 کو کہا کہ اسے گھسیٹ کر لے جائیں اور گرم ریت پر لٹائیں راستہ  
 میں جب انہوں نے اُمیہ سے کہا۔ کہ میرا اور میرا  
 اللہ تعالیٰ ہے۔ تو ظالم اُمیہ نے ان کا گلا اس زور سے دبایا  
 کہ لوگ سمجھے دم نکل گیا۔ ایک دفعہ ان کے سینہ پر اتنا بھاری  
 پتھر رکھا۔ کہ ان کی زبان باہر نکل آئی۔

حضرت عثمان جب مسلمان ہوئے۔ تو چچانے ان کو  
 رسی سے باندھ کر مارا۔

حضرت زبیر کو ان کے چچا چٹائی میں لپیٹ کر ناک میں دھواں  
 دیتے تھے۔ غرض کہ قرن اولیٰ کے مسلمانوں نے ایسے ایسے ظلم برداشت  
 کئے اور ایسی ایسی تکلیفیں سہیں۔ کہ ان کے تصور سے بدن کانپ  
 اٹھتا ہے۔



# میدان جنگ میں

جب کفار کے مظالم حد سے بڑھ گئے۔ اور آنحضرت ہجرت کر کے مکہ سے مدینہ میں آ گئے۔ تو کفار مکہ کو پھر بھی چین نہ آیا وہ کور چشم تھے۔ جو آفتاب اسلام کی شعاعیں دیکھ ہی نہیں سکتے تھے انہوں نے دل میں ٹھان لی۔ کہ پرستان اسلام کو معدوم کر کے دم لیں گے۔ ان کو مدینہ میں نہ رہنے دیں گے یا مدینہ کو برباد کریں گے۔ آخر انہوں نے ایک ہزار مسلح فوج کے ساتھ چڑھائی کی۔ آنحضرت کو کفار کی پیش قدمی کی خبر ہوئی۔ تو انہوں نے بھی صحابہ کو مشورہ کے لئے طلب کیا حضرت ابوبکر صدیق اور صحابہ نے لولہ نگر تقریریں کیں۔ ہو گئی محفل کے لئے نہ تھیں۔ بلکہ ان کے دلی جذبات اور مجاہدانہ عزم کی مظاہر تھیں۔

اس وقت انصار کے ایک رئیس سعد بن عبادہ آنحضرتؐ کا اشارہ پا کر کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے۔

”خدا کی قسم! آپ فرمائیں۔ تو ہم سمندر میں کودیں“

ایک اور شخص اٹھا۔ اور بولا۔

”ہم موسیٰ کی قوم کی طرح یہ نہیں کہیں گے کہ آپ اور

آپ کا خدا دونوں جا کر لڑیں۔ ہم نہیں لڑتے۔ ہم لوگ

آپ کے دائیں بائیں۔ سامنے اور پیچھے سے ہر طرف سے

لڑیں گے“

ایسی دلدورانہ تقریریں سن کر آنحضرتؐ بہت خوش ہوئے اور جنگ

کی تیاری شروع کر دی۔ اور اپنے جاں نثاروں کی چھوٹی سی فوج لے کر

مدینہ سے باہر نکل آئے۔

## معرکہ بدر

مدینہ سے ایک میل دور جا کر آنحضرتؐ نے اپنے جاں نثاروں

کی دیکھ بھال کی۔ چھوٹی عمر کے بچوں کو واپس کر دیا۔ اور فرمایا کہ خطرے

کے موقعہ پر بچوں کا کام نہیں۔

عمیر نامی نوجوان کی عمر بمشکل سولہ برس تھی۔ فوج میں چھپا

پھر تا تھا کہ آنحضرت اُسے بھی دیکھ کر نکال نہ دیں۔ لیکن کب تک چھپ سکتا تھا۔ آخر اُسے سامنے آنا پڑا۔ کم عمر ہونے کی وجہ سے جب اُسے واپس جانے کا حکم ہوا۔ تو زار زار رونے لگا۔ حضور صلعم نے اس کا جوش شجاعت دیکھ کر اجازت دے دی اور اس کے بھائی نے ایک تلوار اس کی کمر میں لٹکادی۔

جب سالارِ اعظم نے بچھوٹے بڑے کل جوان گئے۔ تو صرف — ۳۱۳ — ہوئے جن میں ۶۰ بہاؤ اور باقی — ۲۵۳ — انصار تھے

بدر کے مقام پر معرکہ کارزار گرم ہوا۔ لڑائی شروع ہوئی اور خوب زور شور سے شروع ہوئی۔ بہاؤ اور ان اسلام نے اس شدت سے حملے کئے کہ دشمنوں میں گھبراہٹ پھیل گئی۔ حضرت حمزہؓ اور حضرت علیؓ نے دشمن کے بڑے بڑے بہاؤوں کا صفایا کر دیا۔

## ابو جہل کی ہلاکت

جب عام حملہ شروع ہو گیا تو ابو جہل کفار کو بھرتا کاتا تھا۔ اور مسلمان بھی اس تاک میں تھے کہ اس سب سے بڑے دشمن اسلام کا قیام تمام کیا جائے۔

معوذ اور معاذ۔ اسلامی فوج کے دونوں جوان مجاہد بھائیوں  
نے عہد کیا کہ یا تو آج ابو جہل کا نام دنیا سے مٹا دیں گے یا خود مٹ  
جائیں گے۔

دونوں بھائی اپنے سالار عبدالرحمن کے دائیں بائیں تھے  
انہوں نے پوچھا۔ چچا! ابو جہل کہاں ہے۔  
وہ بولے۔ کیوں؟

انہوں نے جواب دیا۔ ہم اسے قتل کریں گے۔ یا خود جان  
دے دیں گے۔

عبدالرحمن نے ابو جہل کو فوج میں گھوڑا کوداتے دیکھا۔ اور  
اشارہ سے بتایا۔ وہ بے

دیکھتے ہی دیکھتے دونوں بھائی اس پر باز کی طرح چھپے۔ اور  
ابو جہل کو ہلاک کر کے خاک و خون میں گرا دیا۔

معاذ کا حوصلہ۔ ابو جہل کے بیٹے عکرمہ نے پیچھے سے آکر معاذ  
کے کندھے پر تلوار ماری۔ جس سے اس کا بازو کٹ گیا۔ چونکہ تھوڑا سا  
چمڑا کٹنے سے رہ گیا تھا۔ اس لئے بازو گرا نہیں، اور کندھے کے  
ساتھ لٹکتا رہا۔ لیکن معاذ اسی حالت میں تلوار چلاتا رہا۔ بازو لٹکنے  
سے دروہوتا تھا۔ اس لئے اس نے کٹا ہوا ہاتھ پاؤں کے نیچے دبا



کر اس زور سے کھینچا کہ بازو جدا ہو گیا۔ معاذ عکرمہ کے پیچھے پڑا مگر وہ بچ گیا۔

ایسے جانباز مجاہدوں کی بدولت جو صرف — ۳۱۳ — تھے۔ خدا کے فضل و کرم سے مسلمانوں کو — ۱۰۰۰ — کفار پر نمایاں فتح حاصل ہوئی۔

## مجاہدانہ شہادتیں

جنگ بدر میں سفیان بن خالد قتل کیا گیا تھا۔ کفار کے دل میں بے پناہ انتقامی جذبہ شعل تھا۔ اور وہ کسی نہ کسی بہانے خون شہداء سے اس آگ کو بجھانے کے لئے بیقرار تھے۔ انہوں نے جنگ بدر سے چار ماہ بعد ایک خوفناک منصوبہ سوچا۔ یعنی بنو لحيان نے قبیلہ عفل و نزارہ کے لوگوں سے کہا۔ کہ ہم تم کو اس قدر مواشی اور اونٹ دیں گے۔ اگر تم رسول خدا کے پاس جا کر کسی بہانے سے ان کے اصحاب کو یہاں لے آؤ۔ تاکہ ہم اس شخص کو ماریں، جنہوں نے ابوسفیان کو مارا ہے اور بقیہ کو اسیر کر کے قریش کے حوالے کر دیں۔

پس ناچہ دونوں قبیلوں کے ساتھ آدمی آنحضرت سے دس

صحابہ کو تبلیغ اسلام کے بہانہ سے لے آئے۔ جب یہ لوگ مقام  
 بیح پر پہنچے۔ تو انہوں نے عہد شکنی کی اور قبیلہ بنو لحيان کو اشارہ  
 کیا۔ چنانچہ بنو لحيان کے دو سو آدمی جن میں ایک سو تیرا انداز تھے  
 مسلمانوں پر پل پڑے۔ ان اصحاب نے ایک ٹیلہ پر پناہ لی۔ تو کفار  
 نے کہا۔ کہ

”تم نیچے آ جاؤ۔ ہم تم کو پناہ دیں گے۔“

لیکن حضرت عاصم نے کفار کی پناہ میں آنے سے انکار

کر دیا۔

ان دس اصحاب میں سے حضرت خبیب بن عدی۔ زید بن  
 دشنة اور عبداللہ بن طازق نے کفار کی اسیری قبول کر لی۔ باقی لڑائی  
 میں مصروف ہو گئے۔

حضرت عاصم نے کہا۔ میں اپنے اوپر نذر واجب کر لی ہے  
 کہ کسی مشرک کی پناہ قبول نہ کروں گا۔ انہوں نے قتل کے وقت  
 حسب ذیل رجز یہ اشعار پڑھے۔

میں کماندار اور تیغ بکفت جس سے دشمن تمام ہیں بیدل  
 تیر لڑاں۔ کمان سے چلتے ہیں موتِ حق اور زندگی باطل

نہیں بیٹنا نوشتہ تقدیر اس کو پورا کرے گا خود انساں  
 نہ کروں جنگ میں اگر تم سے ہوگی حسرت میں ماں مری گریاں  
 (آزاد ترجمہ)

جب حضرت عاصم نے اپنے تمام تیسر چلا کر ترکش خالی کر دیا تو  
 بھلے سے کفار کو مارنے لگے۔ یہاں تک کہ بھالا بھی ٹوٹ گیا صرف  
 تلوار باقی رہی۔ تب عاصم نے کہا:-

میرے پروردگار ہر ساعت میں تیرے دین کا رہا حامی  
 بن میرے گوشت پوست کا حافظ تاکہ کفار کو ہونا کامی  
 (آزاد ترجمہ)

اس کے بعد حضرت عاصم نے تلوار کا میان توڑ دیا۔ اور  
 کفار پر نہایت بے جگری سے حملہ کیا۔ یہاں تک کہ آپ اور دوسرے  
 اصحاب شہید ہو گئے۔

ایک عورت سلافہ بنت سعد نے جن کا شوہرا اور چار بیٹے  
 مارے گئے تھے اور دو لڑکوں کو عاصم نے مارا تھا۔ یہ منت مانی  
 تھی کہ اگر مجھے موقع ملا تو عاصم کے کاسہ سر میں شراب پیوں گی جو  
 اس کا سر لاویگا۔ سو اونٹ انعام دوں گی۔ اس منت کی اہل عرب  
 اور بنو لہیان کو اطلاع تھی۔ چنانچہ حضرت عاصم کی شہادت کے

بعد کفار ان کا سر کاٹنے کے ارادے سے آگے بڑھے تو دیکھا کہ  
 عاصم کی نعش پر بھڑوں کا چھتہ تعین ہے۔ جو کوئی عاصم کی طرف  
 جاتا تھا۔ اس کے منہ پر بھڑ حملہ کر کے زخمی کر دیتے تھے۔ تب  
 کافروں نے مشورہ کیا کہ عاصم کو ایسے ہی چھوڑ دو۔ رات ہونے  
 پر جب بھڑ مارے جائیں گے۔ تو اپنا کام کریں۔ لیکن شام ہوتے  
 ہی حق تعالیٰ نے بارش کا ایسا سیلاب بھیجا۔ کہ عاصم کی نعش  
 بہا کر لے گیا۔ عاصم کی دُعا پوری ہو گئی اور کافر ہاتھ ملتے رہ گئے۔  
 حضرت خلیب۔ مکہ میں حضرت خبیب کو ماریہ عورت  
 کے گھر میں قید رکھا۔ ماریہ سے جو بعد میں مسلمان ہو گئی۔ روایت  
 ہے۔ کہ

”میں نے کسی کو خبیب سے بہترین انسان نہیں دیکھا جتنے  
 دن قید رہے۔ ان کے دروازے کے شکاف سے دیکھتی رہی۔  
 ان کو غیب سے انگور مہیا ہوتے تھے۔ وہی ان کا رزق تھا۔ راتوں  
 کو تہجد کی نمازیں قرآن پڑھا کرتے تھے۔“

جب قتل کا دن آیا۔ تو ان کو زنجیروں میں باندھ کر مقام تقیم  
 تک لے گئے۔ وہاں کفار کے مردوں۔ عورتوں اور بچوں کا ایک ہجوم  
 تھا۔ چنانچہ میدان میں ایک لمبی لکڑی گاڑی گئی اور خبیب کو



اس کے پاس لے گئے۔ اس وقت خبیب نے کہا کہ ”مجھے نماز پڑھنے کی اجازت دو۔“ کفار نے منظور کر لیا۔ تو دو رکعت نماز کے بعد یہ دعائیں:-

”اے اللہ! ان کے اعداؤ کو شمار کر اور ان کو  
پراگندہ کر کے ہلاک کر۔ اور ان میں سے کسی کو  
باقی نہ چھوڑ۔“

معلویہ بن سفیان کہتے ہیں:-

”میں بھی دعائے خبیب کے وقت موجود تھا  
تو میں نے دیکھا کہ میرا باپ ابوسفیان دعائے خبیب  
سے خوفزدہ ہو کر مجھے زمین پر لٹاتا تھا۔ اور اس نے  
مجھے ایسی سختی سے گھسیٹا کہ میں سرین کے بل گر پڑا۔  
اور اس چوٹ کے صدمہ سے میں مدت تک درمند  
رہا۔“

اسی طرح حکیم ابن خرام نے کہا کہ  
”دعائے خبیب کے خوف سے میں نے اپنے  
آپ کو پتوں کی آڑ میں چھپایا اور اسی طرح اور اشخاص  
بھی دعا کے خوف سے تتر بتر ہو گئے۔“

حارث بن صابر نے کہا:۔

”مجھے یقین تھا کہ دعائے خبیب کسی کو نہ چھوڑے گی“

حضرت عمرؓ نے سعید بن عامر کو جمہور کا عامل مقرر کیا تھا لیکن ان کا یہ حال تھا کہ کبھی کبھی ان پر حالتِ غشی طاری ہو جاتی تھی باوجود کہ وہ اپنے اصحاب کے درمیان ہوتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے اس غشی کے متعلق پوچھا کہ تم پر کسی چیز کا اثر تو نہیں ہے؟

جواب دیا:۔

”ایسا نہیں بلکہ میں بھی دعائے خبیب کے وقت

اس مجمع میں موجود تھا اور میں نے ان کی دعاستی۔ واللہ اس وقت سے آج تک جب کبھی مجھے ان کی دعا کا خیال آتا ہے۔ تو میں خواہ کسی مجمع میں ہوں۔ مجھ پر یکایک غشی طاری ہو جاتی ہے۔“

نوفل بن معاویہ سے مروی ہے کہ۔

”میں اس روز خبیب کی دعا کے وقت موجود تھا

میں نے ان لوگوں سے سنا جو اس وقت وہاں موجود تھے۔ کوئی بھی دعا کے اثر سے محفوظ نہیں رہا۔ اور میں ان کی دعا کے خوف سے زمین پر جھک گیا۔ اور قریش ایک

ماہ یا اس سے زیادہ عرصہ ایسی حالت میں رہے۔ کہ ان  
کی مجالس میں دعائے خبیب کے سوا کسی بات کا تذکرہ  
نہیں ہوتا تھا۔

غرض کفار حضرت خبیب کو لے گئے۔ اور ان کو جکر باندھ  
دیا۔ اور کہنے لگے:-

”اگر تو اسلام سے پھر جائے۔ تو ہم تجھ کو چھوڑ  
دیں گے۔“

انہوں نے جواب دیا:-

”میں ہرگز ایسا نہیں کر سکتا۔ جاہے تمام دنیا  
کی دولت مجھے دی جائے۔“  
پھر کفار نے کہا:-

”تو اتنا ہی کہہ دے۔ کہ میری جگہ (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)  
ہوں اور میں اپنے گھر میں بیٹھوں۔“  
خبیب نے کہا:-

واللہ! میں ہرگز نہیں چاہتا کہ آنحضرت کے  
تلوے میں ایک کانٹا چبھے اور میں آیام سے بیٹھوں خواہ  
زمین و آسمان مجھے چکی بن کر پیس ڈالیں۔“

اس کے بعد قریش مکہ نے ایسے چالیس لڑکوں کو جن کے باپ یا قریبی رشتہ دار جنگ بدر میں مارے گئے تھے۔ ایک ایک نیرہ دے کر کہا۔

”یہ شخص وہ ہے جس نے تمہارے آباء اور اعزہ کو مارا ہے“  
تب ان لڑکوں نے خبیب پر حملہ کر کے ان کا تمام بدن پھلنی کر دیا۔ اور خبیب اس وقت قبلہ رو ہو کر کلمہ شہادت پڑھ رہے تھے۔

زید بن دشتہ۔ ایسے ہی زنجیروں میں جکڑ کر زید بن دشتہ کو لائے۔ جب دونوں صحابی ایک جگہ ہوئے تو ایک دوسرے سے پٹ گئے۔ اور ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کی۔ اسی طرح زید کو سولی سے باندھا گیا اور وہی سوال کئے۔ جو حضرت خبیب سے کئے تھے اور وہی جواب پائے جو حضرت خبیب نے دیئے تھے چنانچہ ایسی ہی تکالیف دے کر ان کو بھی شہید کیا گیا۔

حضرت زید نے قتل کے وقت سولی کے نیچے کھڑے ہو کر یہ فی البدیہہ اشعار پڑھے۔

میرے چاروں طرف کافر کھڑے ہیں      قبائل سب بلائے ہیں انہوں نے  
جفا و جور اور قہر و غضب کے      عجب منظر دکھائے ہیں انہوں نے



قبائل ہو گئے ہیں جمع سارے ہیں ان کی عورتیں بچے بھی موجود  
ڈراتے ہیں مجھے سولی کے ڈر سے یہ کرنا چاہتے ہیں مجھ کو نابود

میری آنکھوں سے آنسو بہ رہے ہیں مگر دل کو نہیں ہے بیقراری  
نہیں آہ دیکھا ہرگز کروں گا کہ جاتا ہوں حضور ربّ یاری

میں اپنی حالت زار و زبوں پر فقط اللہ سے کرتا ہوں فریاد  
میرا سب کچھ خدا کے واسطے ہے کروں گا جاں خدا با خاطر شاد  
(آزاد ترجمہ)

## حضرت امیر حمزہ

اسلام کے نامور بہادر حضرت امیر حمزہ رسول پاک کے  
چچا تھے۔ جب آنحضرت نے تبلیغ اسلام شروع کی۔ اس وقت  
انہوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔

ایک دن آنحضرت خانہ کعبہ میں اسلام کی تبلیغ فرما رہے  
تھے۔ کہ ابو جہل نے آپ کی شان میں گستاخی کی۔ اور آپ سب  
کچھ سن کر چپ چاپ کعبہ سے باہر نکل آئے۔

امیر حمزہ شکار کو گئے ہوئے تھے۔ واپس آئے تو انہوں نے ابو جہل  
کی بدذہبانی کا واقعہ سنا۔ خانہ کعبہ میں گئے۔ ابو جہل کی خوب گت  
بتائی اور اسے زخمی کر دیا۔

کافر حیران تھے۔ کہ امیر حمزہ بھی مسلمانوں میں جا ملے۔

آپ وہاں سے فوراً آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا۔ اور ہر طرح ان کا ساتھ دیا۔

جنگ بدر میں جب دونوں طرف کی فوجیں آمنے سامنے ہوئیں تو سب سے پہلے تین پہاؤر مسلمانوں کی طرف سے میدان میں آئے ان میں حضرت حمزہ بھی تھے۔ انہوں نے پہلے ہی وار میں اپنے مد مقابل غنیہ کو جہنم واصل کیا۔ پھر حضرت علی کے ساتھ مل کر ولید کا بھی خاتمہ کیا۔

کفار نے طیش میں آکر عام ہلہ بول دیا۔ گھمسان کارن بڑھا۔ حضرت حمزہ میدان جنگ میں نمایاں تھے۔ ان کے دونوں ہاتھوں میں تلواریں تھیں۔ اور پرے کے پرے صاف کرتے جاتے تھے جنگ بدر کے کافر قبیلوں کا بیان تھا۔ کہ اگر اس جنگ میں امیر حمزہ شامل نہ ہوتے۔ تو ہمیں کوئی نقصان نہ پہنچتا۔ ان کے زور شجاعت سے دشمنوں کو شکست فاش ہوئی۔

امیر حمزہ جب دشمنوں کو موت کے گھاٹ اتارنے میں مصروف تھے تو ایک پہاڑی کے پاس سے گذرے۔ وہاں ایک حبشی گھات لگانے بیٹھا تھا۔ اس نے اچانک پیچھے سے حملہ کیا۔ اور آپ کا ہیم دو ٹکڑے ہو گیا۔

آپ کی وفات پر کفار کی عورتوں نے خوشی و مسرت کے  
 گیت گائے۔ ابوسفیان کی بیوی ہند نے آپ کی ناک اور کان  
 کاٹ کر ان کا زیور پہنا۔ اور جگر نکال کر چبایا۔ مگر بنگل نہ سکی۔  
 سرور کائنات کو امیر حمزہ کی شہادت پر بہت رنج ہوا۔ آپ نے  
 مدینہ میں فرمایا۔ کہ اگر حمزہ کی مستورات ہوتیں۔ تو وہ گریہ زاری  
 کرتیں۔ چنانچہ اہل مدینہ نے اس دن سے یہ دستور بنا لیا کہ جب  
 کبھی کسی کا عزیز انتقال کر جاتا۔ تو خواتین پہلے حضرت حمزہ کا نوحہ  
 کرتیں اور پھر اپنے عزیز کا ماتم کرتی تھیں۔



# ایشیاری کی اعلیٰ ترین نظیر

ایک بہادر عورت

کافروں نے یہ کیسا جنگِ احد میں مشہور  
کہ پیغمبر بھی ہوئے کشتہ شمشیر دو دم

ہو کے مشہور مدینہ میں جو پہنچی یہ خبر  
ہر گلی کوچہ تھا ماتم کدہ حسرت و غم  
ہو کے بیتاب گھروں سے نکل آئے باہر

کو دک و پیر و جوان و خدم و خیل و حشم  
وہ بھی نکلیں کہ جو تھیں پردہ نشینانِ عفاف

جن میں تھیں سیدہ پاک بھی باویدہ غم  
ایک خاتون کہ انصار کو نام سے تھیں

سخت مضطر تھیں نہ تھے ہوش و حواس انکے ہم

موقع جنگ پہ پہنچیں تو یہ لوگوں نے کہا  
 کیا کہیں تجھ سے کہہتے ہوئے شرماتے ہیں ہم  
 تیرے بھائی نے لڑائی میں شہادت پائی  
 تیرے والد بھی ہوئے کشتہ شمشیر ستم  
 سب سے بڑھ کر یہ کہ شوہر بھی ہوا تیرا شہید  
 گھر کا گھر صاف ہوا، ٹوٹ پڑا کوہِ الم

اس عقیقہ نے یہ سن کے کہا تو یہ کہہا  
 یہ تو بیتلاؤ کہ کیسے ہیں شہنشاہِ امم  
 سب نے دی اس کو بشارت کہ سلامت ہیں حضور  
 گرچہ زخمی ہیں سر و سینہ و پہلو و شکم  
 بڑھ کے اس نے رخِ اقدس کو جو دیکھا تو کہا  
 تو سلامت ہے تو پھر بیچ ہیں سب رنجِ دالم  
 بیس بھی، اور باپ بھی، شوہر بھی برادر بھی قدا  
 اے شہر دین تیرے ہوتے ہوئے کیا چیز ہیں ہم

(شبلی نعمانی)

## خلفائے راشدین کی شہادت

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ مسندِ خلافت پر جلوہ افروز ہوئے۔ اور اس خوبی، قابلیت اور جواہرِ مروی سے مذہبی و ملکی کام سرانجام دیئے۔ کہ تمام اطراف ملک میں ان کی عظمت و جبروت کی دھاک بیٹھ گئی۔ ان کی خلافت کا زمانہ اگرچہ بہت مختصر تھا۔ مگر انہوں نے دین اسلام اور اسلامی حکومت کی بنیادیں مضبوط کر دیں۔

## حضرت عمر فاروقؓ

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی وفات کے بعد حضرت عمر فاروقؓ خلافت کے منصب پر مامور ہوئے۔ ان کی خلافت کا زمانہ ملکی نظم و نسق

استحکام سلطنت، رعایا پروری کے لحاظ سے نہایت شاندار تھا۔ جو فتوحات ان کے عہد میں ہوئیں۔ جس قدر اصلاحات انہوں نے کیں۔ وہ دوستوں کی مسرت اور دشمنوں کے لئے اضطراب کا موجب تھیں۔

حضرت عمرؓ عدل و انصاف اور اخوت و مساوات کا خاص خیال رکھتے تھے۔ اور ہر ایک سے یکساں برتاؤ کرتے تھے۔ ایک دن مغیرہ بن شعبہ کے پارسی غلام فیروز نے حضرت عمرؓ سے اپنے آقا کے بھاری محصول مقرر کرنے کی شکایت کی شکایت بے جا تھی۔ اس لئے حضرت عمرؓ نے پروا نہ کی۔ اس پر وہ اتنا ناراض ہوا۔ کہ صبح کی نماز میں خجر لے کر اچانک حملہ کر دیا اور متواتر چھ وار کئے۔ حضرت عمرؓ زخم کے صدمے سے گر پڑے۔ اور حضرت عبدالرحمنؓ بن عوف نے نماز پڑھائی

یہ حملہ نہایت سفاکانہ تھا۔ جس پر تمام لوگوں میں تہلکہ مچ گیا۔ اور قاتل گرفتار کیا گیا۔

”خلافت کے چند نام پیش کرنے کے بعد حضرت عائشہؓ سے رسول اللہ کے پہلو میں دفن ہونے کی اجازت لی۔“

پھر ہاجرین انصار، عرب اور اہل ذمہ کے حقوق کی طرف



توجہ دلائی اور اپنے عہدِ جزا دے عبداللہ کو چند وصیتیں کیں۔  
 افسوس! اسلام کے وہ بطلِ عظیم ہر قسم کی ضروری وصیتوں  
 کے بعد تین دن بیمار رہ کر حرم کی پہلی تاریخِ شنبہ کے دن ۲۳<sup>ھ</sup>  
 کو داخلِ حج ہوئے اور محبوبِ رہنما سرورِ عالم کے پہلو میں ہمیشہ  
 کے لئے آسودہ خواب ہو گئے۔

## حضرت عثمان رضی

خلیفہ سوم حضرت عثمان <sup>رضی</sup> بڑے مدبر، منتظم اور سیاستدان  
 تھے۔ حضرت عمر کے بعد انہوں نے اپنے فرائضِ نہایت قابلیت کے  
 ساتھ انجام دیئے۔

ان کی خلافت کا زمانہ کل دس سال تھا جس میں شروع  
 کے چھ سال تو امنِ چین سے گزرے اور اسلامی حکومت میں بہت  
 ترقی ہوئی۔ دینی اور دنیوی لحاظ سے مسلمانوں نے کافی اقتدار  
 حاصل کیا لیکن ان چھ سال کے بعد لوگوں میں دولت مندی اور  
 عیش و مسرت کی وجہ سے جھگڑے شروع ہو گئے۔ بعض لوگوں کو  
 خاص حضرت عثمان سے شکایتیں پیدا ہو گئیں۔ جو محض غلط اور کسی  
 کیلئے کی وجہ سے تھیں۔ مگر عوام کو اصل حقیقت معلوم نہ تھی کہ اس کے

پردے میں کیا بات کام کر رہی ہے۔ اس لئے لوگوں میں بہت  
 جوش پھیل گیا۔ یہاں تک کہ بصرہ، مصر اور کوفہ کے کچھ مفسدوں  
 نے ایک دم مدینہ پر حملہ کر دیا اور شہر کے گرد و دیبے ڈال دیئے  
 بڑے بڑے صحابہ کو مصالحت کے لئے کہا گیا۔ مگر وہ سب الگ  
 رہے۔

سمجھانے سمجھانے سے حملہ آفر واپس چلے گئے۔ مگر آگ اندر  
 ہی اندر سلگتی رہی اور ایسی غلط فہمیاں پھیلانی لگیں جس سے حضرت  
 عثمان کا تعلق نہ تھا۔ ان مفسدہ پر واز لوگوں کو مجرم شہر میں گھس گیا  
 اور حضرت عثمانؓ کے مکان کا محاصرہ کر لیا۔

حضرت عثمان نے کوٹھے پر چڑھ کر ان کی غلط فہمی دور کرنے  
 کی کوشش کی۔ مگر وہ اپنے ناپاک عزم پر تلے ہوئے تھے کہ حضرت  
 عثمان کو شہید کر کے ہی دم لیں گے۔

جب فساد یوں نے ان کی کوئی بات نہ سنی۔ اور دم بدم مشتعل  
 ہونے لگے۔ تو دوست و احباب مقابلہ کے لئے تیار ہو گئے۔ اور  
 باغیوں کی سرکوبی کا مشورہ دیا۔ تو آپ نے فرمایا۔

میرا سب سے زیادہ خیر خواہ وہ شخص ہوگا جو اپنا  
 ہاتھ روکے رکھے گا۔ اور ہتھیار نہ اٹھائے گا۔ میں تمہیں

قسم دیتا ہوں۔ کہ تلواریں پھینک دو۔ اگر میں لڑنا  
 چاہتا، تو فوجوں کو بلا سکتا تھا۔ میں ہرگز ہرگز وہ پہلا  
 شخص نہیں ہونا چاہتا۔ جو مسلمانوں کو آپس میں لڑائے اور  
 بھائی کو بھائی کے قتل کرنے پر آمادہ کرے۔ میں اپنی جان و  
 کے لئے تیار ہوں۔ مگر مسلمانوں کا خون بہتا دیکھنا  
 گوارا نہیں کرتا۔“

یہ وقت نہایت پریشان کرنے والا تھا۔ دشمن جان لینے کے  
 درپے ہیں۔ موت سامنے کھڑی ہے اور نہایت اطمینان کے ساتھ  
 قرآن شریف پڑھ رہے ہیں۔ وہ اپنے وقت کے سب سے بڑے  
 مسلمان پیغمبر خدا کے جانشین، خداوند کریم کے برگزیدہ بندے، نہ  
 خوف تھا نہ ہراس نہایت اشتیاق کے ساتھ جام شہادت  
 نوش کرنے کے منتظر تھے۔ کہ بہت جلد اپنے انتظار کرنے والے  
 آقا کے پاس جنت الفردوس میں جا کر آرام کریں۔

حضرت امام حسنؑ رسول خدا کے نواسے اور حضرت علیؑ کے  
 صاحبزادے دروازہ پر پہرہ دے رہے تھے۔ لیکن باغی دیوار  
 پھانڈ کر گھر میں گھس آئے۔ اور ان میں سے کنانہ بن بشر نامی ایک  
 ملعون نے عین اس وقت جب آپ اس آیت کی تلاوت کر رہے

تھے کہ "فسینکفیکم اللہ" پہلا فار کیا جس سے آپ زمین پر  
 گر پڑے۔ اور زبان سے یہ صدا نکلی۔ "بِسْمِ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ"  
 پھر دوسرے کبختوں نے جلدی جلدی دار کئے۔ بدن زخمی ہو گیا۔ اور  
 بار بار فرماتے۔ "خدا یا محمد کی امت کو اتفاق دے۔"

آخر بتاریخ ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ کو ایک عظیم الشان سلطنت  
 کا خلیفہ نہایت دلیری کے ساتھ چارم شہادت نوش کر کے اس  
 دنیا سے فانی سے رحلت کر گئے۔

## حضرت علیؑ

حضرت علیؑ خلیفہ چہارم نہایت بہادر، زبیرک اور تدبیر تھے  
 لیکن تختِ خلافت پر بیٹھتے ہی ان کی مخالفت شروع ہو گئی اور  
 بہت سے لوگوں کو یہ خیال تھا کہ حضرت عثمانؓ کے قتل کی سازش  
 میں حضرت علیؑ بھی شریک تھے۔ چنانچہ ان میں حضرت عائشہؓ حضرت  
 طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ بھی تھے۔

حضرت عثمانؓ۔ امیر معاویہ بن امیہ کے خاندان سے تھے  
 اور حضرت علیؑ بنی ہاشم میں سے۔ ان دونوں خاندانوں کی قدیم زمانہ  
 سے دشمنی چلی آتی تھی۔ یہ رفتہ رفتہ زیادہ بڑھتی گئی۔ اور بہت



سے لوگ حضرت علیؑ کے دشمن ہو گئے۔ آخر ایک فرقہ خوارج کا پیدا ہو گیا۔ جس نے یہ فیصلہ کیا۔ کہ مصر میں ابوالعاص کو، دمشق میں معاویہ کو اور کوفہ میں حضرت علیؑ کو قتل کیا جائے۔ اس کام کے لئے تین آدمی مقرر کئے گئے اور قرار پایا کہ تینوں جمعہ کے دن نماز صبح کے وقت ایک ہی وقت میں تینوں کا خاتمہ کریں۔ وہ دونوں تو پہنچ گئے۔ مگر جب حضرت علیؑ صبح کی نماز کے لئے نکلے۔ تو مقررہ قاتل ابن ملجم نے دو اور آدمی اپنے ساتھ ملا لئے اور تینوں ایک ہی مرتبہ ٹوٹ پڑے۔ جس سے حضرت علیؑ سخت مجروح ہوئے۔ ابن ملجم اسی وقت مارا گیا۔ دوسرا گرفتار ہوا۔ اور تیسرا بھاگ گیا۔

حضرت علیؑ نے آخری وقت فرمایا:-

”دیکھو! میں کل تمہارا خلیفہ تھا۔ اور آج تمہارے لئے عبرت ہو جاؤں گا۔ تم میرے بعد کسی کو خدا کا شریک نہ ٹھہرانا۔ اور رسول صلعم کی سنت کو ضائع نہ کرنا۔“

”اے اولاد عبدالمطلب! میرے قاتل کے سوا کوئی دوسرا قتل نہ ہونا چاہئے۔ دیکھو! اگر میں اس کے وار سے مر جاؤں۔ تو اسے ایک ہی ضرب سے قتل کرنا۔ زیادہ اذیت نہ دینا۔“

آپ ۱۱ ماہ رمضان ۱۸۸۷ء میں اس دنیا سے فانی سے  
رحلت فرما گئے۔ شہادت کے وقت آپ کی عمر ساٹھ سال تھی۔

## خلافِ فاروقی کا ایک واقعہ

معمول تھا جناب عمرؓ کا کہ متصل  
کرتے تھے گشت رات کو سونا محال تھا  
اک دن کا واقعہ ہے کہ پہنچے جو دشت میں  
کو سوں تک زمین پہ خمیوں کا جال تھا  
بچے کئی تھے ایک ضعیفہ کی گود میں  
جن میں کوئی بڑا تھا کوئی خرد سال تھا  
دیکھا جو اُس کو یہ کہ بچاتی ہے کوئی چیز  
جاتا رہا جو طبع خرائین میں ملال تھا  
سمجھے کہ اب وہ ملک کی حالت نہیں رہی  
کم ہو چلا ہے قحط کا جو اشتعال تھا  
پوچھا خود اُس سے جا کے تو رونے لگی کہ آہ  
کیا آپ کو غذا کا بھی یاں احتمال تھا

بچے یہ تین دن سے تڑپتے ہیں خاک پر  
 نہیں کیا کہوں زبان سے ان کا جو حال تھا  
 مجبور ہو کے ان کے بہلنے کے واسطے  
 پانی چڑھا دیا ہے یہ اس کا ابال تھا  
 ان سے یہ کہہ دیا ہے کہ اب مطمئن رہو  
 کھانا یہ پک رہا ہے اسی کا خیال تھا  
 بے اختیار رونے لگے حضرت عمرؓ  
 بولے کہ یہ مرے ہی کئے کا وبال تھا  
 جو کچھ کہتے یہ سب ہے میری شامتِ عمل  
 از بس گناہ گار میرا بال بال تھا  
 بازار جا کے لائے سب اسباب و آبِ نان  
 جو زخم قحط کا سبب اندام تھا  
 چولہے کے پاس بیٹھ کے خود بھونکتے تھے آگ  
 پہرہ تمام آگ کی گرمی سے لال تھا  
 بچوں نے پیٹ بھر کے جو کھایا تو کھل اُٹھے  
 ایک ایک اب تو فریادِ خوشی سے نہال تھا  
 تھی وہ وزن ضعیف سراپا زبانِ شکر

یاں حضرتِ عمرؓ کو وہی انفعال تھا  
عہدہ عمرؓ کو یہ جو بلا تجھ سے چھن کر  
جو کچھ گذر رہا ہے یہ اُس کا وبال تھا

شبلی نعمانی



# جنگِ یرموک

قیصرِ روم نے مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی طاقت دیکھ کر دو لاکھ چالیس ہزار کی فوج عظیم لے کر اسلامی علاقے کی طرف بڑھا۔ مسلمانوں نے صرف چالیس ہزار مردانِ کار کا جیش لے کر میدان میں نکلے۔ یرموک کے میدان میں گھمسان کا رن پڑا۔ رومی سپاہ نے نہایت شدت سے عرب فوج کے بائیں بازو پر حملہ کیا۔ حضرت سلمہ جو بائیں بازو کے سالار تھے۔ دادِ شجاعت دیتے ہوئے سخت زخمی ہوئے۔ اور گھوڑے سے گر پڑے۔ لوگوں نے سالارِ سلمہ کا گھوڑا بغیر سوار کے ادھر ادھر بھاگتے دیکھا۔ تو بہت پریشان ہوئے۔ حذیقہ سلمہ کے ایک رفیق اپنے ہمدرد کی تلاش

۱۔ جنگِ یرموک حضرت عمرؓ کے زمانہٴ خلافت ۱۵ھ میں واقع ہوئی۔

میں مصروف ہو گئے اور جلد ہی انہوں نے دیکھا کہ سلمہ زخموں کی کثرت اور بڑی مقدار میں خون بہ جانے کی وجہ سے زمین پر انتہائی کمزوری کے عالم میں گر پڑے ہیں۔

سلمہ مشکل ہی سے لب کھول سکتے تھے لیکن انہوں نے اپنے رفیق سے پہلا سوال یہی کیا کہ ”جنگ کا نقشہ کیا ہے؟“ حذیقہ کا جواب تھا

اسلامی فوج نے کامیابی کے ساتھ اپنے دائیں بازو کی حفاظت کی ہے، جس کا نتیجہ یہ نکلا ہے، کہ اب وہ مدافعت کی بجائے حملہ کر رہے ہیں، اور رومیوں میں بددلی اور گھبرائش کے آثار نمودار ہو چکے ہیں۔

عالم نزع میں سسکتے ہوئے۔ اسلام کے جانباز سلمہ کا زرد پتھرہ یہ الفاظ سن کر دمک اٹھا۔ انہوں نے انتہائی جدوجہد کے بعد اپنا سر اٹھایا اور نعرہ لگایا

”دوستو! رفیقو! آگے بڑھو! آگے بڑھو! فتح تمہاری

منتظر ہے میں فتح اپنی آنکھ سے دیکھنا چاہتا ہوں، قبل

اس کے کہ . . . .“

الفاظ پورے نہ ہو سکے، اور وہ تھک کر گر پڑے۔ وہی

آواز میں، حذیفہ نے الفاظ سنے۔

حذیفہ! بھائی حذیفہ پانی کا ایک قطرہ دو۔

## حیرت انگیز اشارہ

حذیفہ دوڑے اور سخت دشواری کے بعد پانی کا ایک پیالہ لے آئے سلمہ نے پیالہ ہاتھ میں لیا۔ لیکن برابر ہی ایک اور مسلمان سپاہی زخموں کی شدت سے کراہ رہا تھا۔ پانی، پانی۔ صرف ایک قطرہ پانی! سلمہ کے کان میں یہ آواز پڑی، اور پانی کا وہ پیالہ جو ان کے لبوں تک پہنچ چکا تھا۔ رہ گیا۔ اور برابر والے زخمی سپاہی کے لئے حذیفہ کے ہاتھ میں چلا گیا۔ یہ پیالہ اسے دے دو حذیفہ پیالہ لے کر حشام زخمی سپاہی کے پاس پہنچے۔ حشام نے انتہائی مسرت کے ساتھ پیالہ لے لیا اور ابھی وہ پینے کا ارادہ ہی کر رہا تھا کہ دوسرے ایک اور آواز سنائی دی۔

— پانی، پانی! —

حشام نے پیالہ واپس حذیفہ کو دے دیا، اور آواز کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ یہ پیالہ اس زخمی کو دے دو۔ وہ مجھ سے زیادہ پیاسا معلوم ہوتا ہے۔

حذیفہ تبصرے آدمی کے پاس پہنچے۔ لیکن پانی کی آواز کے ساتھ  
 ہی اس نے پیالہ واپس کر کے اس نے کسی دوسرے پیالے سے زخمی  
 کی طرف اشارہ کیا۔ مسلسل یہ عمل جاری رہا۔ چنانچہ جب ساتویں  
 آدمی کے پاس پہنچے تو اس کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر چکی تھی  
 وہ شہید ہو چکا تھا۔ واپسی میں دوسرا پیالہ بھی پیاس کی آخری  
 قربانی کے بعد شہید ہو چکا تھا۔ جب وہ حشام کے پاس آئے۔ تو وہ  
 بھی اپنے ایثار کے بعد زندہ نہ رہ سکا تھا۔ حذیفہ نہایت اندوہ  
 اور کرب کی حالت میں پھر سلمہ کے پاس پہنچے۔ لیکن وہاں پہنچنے پر  
 بھی یہی معلوم ہوا کہ سلمہ شہید ہو چکے ہیں۔

”اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر وللہ الحمد“ طرہتے  
 ہوئے حذیفہ واپس آکر جنگ میں شریک ہو گئے اور بدستور وادِ شجاعت  
 دینے لگے

## عکرمہ کی شہادت

جنگِ یرموک میں رومیوں کی ٹڈی دل فوج اور اس کے پلے  
 درپلے حملے عرب فوج کے لئے انتہائی صیرانہ مرحلہ تھا۔ عرب فوج  
 میں ایک مرحلہ پر تھوڑی سی لرزش پیدا ہو چلی تھی۔ رومی جنگجو



مسلحہ حملوں میں شدت پیدا کرتے جا رہے تھے۔ مسلمان افسروں میں اس روز عکرمہ سے زیادہ شجاعت و دلیری میں کوئی سبقت نہ لے جا سکا۔

عکرمہ ابوہیل کے ایک بیٹے تھے، جو اسلام کا جانی دشمن تھا۔ عکرمہ جنہوں نے پیغمبر اسلام صلعم کی فوج کے خلاف غزوہ بدر میں جنگ کی تھی۔ ان کا باپ مارا گیا تھا۔ جنہوں نے غزوہ احد میں لشکر اسلام کے خلاف حصہ لیا تھا۔ جنہوں نے غزوہ خندق میں ایک بہادرانہ شب خون اسلامی فوج کے خلاف مارا تھا۔ اور جو فتح مکہ کی مزاحمت کرنے والے صرف چند آدمیوں میں سے تھے۔

لیکن آخر کار انہوں نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ لشکر اسلام میں آثارِ بددلی نے عکرمہ میں شجاعت کا زبردست جذبہ پیدا کیا۔ عین جنگ کے موقع پر انہوں نے اپنی ماتحتی میں لڑنے والے سپاہیوں کو اکٹھا کیا۔ خود جاہم شہادت نوش کرنے کی قسم کھائی اور ساتھیوں سے پوچھا کہ جو لوگ شہادت کا عہد کر سکتے ہوں، وہ اپنا نام بتائیں۔

سب نے بیک آواز حلف لیا۔ اور بے تحاشہ رومی صفوں میں گھس پڑے۔ یکے بعد دیگرے ان میں سے اکثر کے ٹکڑے ٹکڑے

کر ڈالے گئے۔ عکرمہ خود شدید زخمی ہوئے اور اپنے مرکب کی  
پشت سے گر پڑے۔ خالدؓ یہ دیکھ کر آگے بڑھے اور عکرمہ کو پانی پلایا  
لیکن عکرمہ کی طاقت جواب دے گئی تھی۔ آخری سانس میں وہ  
بمشکل یہ الفاظ ادا کر سکے :-

” خلیفہ عمرؓ کو میرے شوقِ شہادت میں شبہ تھا  
مجھے انتہائی مسرت ہے کہ میں نے وفورِ عقیدت  
کے ثبوت میں غنہاوت کا درجہ حاصل کر لیا۔“

## حضرت خالدؓ

جنگ اُحد کے وقت تک حضرت خالدؓ نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ اور اس میں انہیں کے بہادرانہ جئے کے باعث مسلمانوں کی فتح شکست میں بدل گئی۔ سترہ میں ان کے بھائی ولید نے جو پہلے ہی مسلمان ہو چکے تھے۔ انہیں ایک محبت بھرا خط لکھ کر دعوتِ اسلام دی۔ جس پر وہ کلمہ شہادت پڑھ کر غلامانِ سول میں شامل ہو گئے۔

اس کے بعد حضرت خالدؓ کفار کے خلاف لڑائیوں میں شریک ہو کر بہادری کے جوہر دکھانے لگے۔ جب وہ جنگ موتہ میں دشمنانِ اسلام سے لڑ رہے تھے تو آنحضرتؐ نے مسجد نبویؐ میں بیٹھ بیٹھے حاضرین کو جنگ کی ساری کارروائی سے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا

کہ لشکرِ اسلام کے یتیموں سرور شہید ہو چکے تھے۔ اب سپہ سالاری اللہ کی ایک تلوار نے ہاتھ میں لے لی ہے۔ پھر مسلمانوں کو اسی اللہ کی تلوار کے ہاتھ پر فتح کی خوش خبری سنائی۔ یہ اشارہ حضرت خالد کی طرف تھا۔ جنہیں دربار رسالت سے سیف اللہ کا خطاب عطا کیا گیا۔

یوں تو حضرت خالد کی ساری زندگی جہاد کے ذریعے سے کافروں پر فتح پا کر دور و دور تک اسلام پھیلانے میں صرف ہوئی لیکن یہاں صرف جنگ یرموک کی ایک ہلکی سی جھلک دکھائی جاتی ہے۔ دیگر غوطہ کو فتح کرنے کے بعد حضرت خالد نے ارادہ کیا کہ آگے بڑھ کر دمشق پر قبضہ کر لیں۔ لیکن وہ ابھی تجویز ہی سوچ رہے تھے کہ خبر پر خیر آنے لگی۔ یرموک میں رومی اپنا مذہبی دل لشکر جمع کر رہے ہیں۔ اور انہوں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ اس جنگ میں یا تو خود مرٹ جائیں گے یا دشمن کو مٹا کر رکھ دیں گے۔ چنانچہ ہر قل شہنشاہ روم نے مشہور ارمی سپہ سالار باہان کی کمان میں دو لاکھ چالیس ہزار کی جرار فوج پورے سائروسامان کے ساتھ یرموک میں جمع کر لی۔ اور لشکرِ اسلام میں صرف چالیس ہزار مجاہدین مسلمان تھے۔ پہلے باہان نے صلح

کی گفتگو کرنے کے لئے حضرت خالدؓ کے پاس اپنا سفیر بھیج کر ان سے قیام گاہ میں تشریف لانے کی درخواست کی۔ حضرت خالدؓ نے اسے منظور کر لیا۔ اور حضرت عیسرہؓ کے ہمراہ یاہان کے نیچے میں تشریف لے گئے۔

یاہان نے دونوں بہادرانِ اسلام کو اپنے برابر بٹھا کر کہا ہمارے ساتھ جنگ کرنے سے آپ کا اصل مدعا کیا ہے۔ آپ کو واضح رہنا چاہئے کہ دنیا کی کوئی طاقت ہمارے شہنشاہِ قیصرِ روم کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ خیریت ہو۔ تو خاموشی سے واپس چلے جائیے۔

اس کے جواب میں حضرت خالدؓ نے حمد و درود کے بعد فرمایا ہم بلاوجہ کسی سے جنگ نہیں کرتے۔ بلکہ اس لڑائی کے ذمہ دار آپ ہیں۔ چونکہ آپ لوگوں نے اسلام کو مٹا دینے کی قسم کھا رکھی ہے۔ اس لئے ہم نے اپنی اور اسلام کی حفاظت یعنی خدائے واحد کا نام بلند کرنے کے لئے مخالفوں سے جنگ کرنے کی ٹھانی ہے۔ تمام بادشاہوں کی متفقہ ہولناک طاقت بھی جس پر فخر کیا جاتا ہے۔ میری اس تلوار کے سامنے بالکل ہیچ اور بے حقیقت ہے۔ میں تم کو خیردار کرتا ہوں۔ کہ یا تو آپ اسلام قبول کریں۔ یا



فرمانبردار ہو کر جزیہ دیں۔ اگر ان دونوں باتوں سے انکار ہے۔ تو  
اس کا فیصلہ تلوار اور صرف تلوار کرے گی۔“

باہمی گفتگو سے کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ اور دونوں فوجوں نے  
جنگ کی تیاری شروع کر دی۔ آخر ”بیرموک“ کے مقام پر وہ گھمسان  
کارن پڑا۔ کہ خون کی ندیاں بہ گئیں۔ ایک لاکھ سے زیادہ عیسائی  
مارے گئے۔ اور چالیس ہزار قید ہوئے مسلمانوں میں سے تین  
چار ہزار جوان شہید ہوئے۔

حضرت خالدؓ کی تمام عمر اسلام کے لئے جاننازانی لڑائیوں  
لڑتے گزری۔ ۱۲ھ میں بمقام حمص حضرت خالدؓ نے وفات  
پائی۔ آپ غضب کے بہادر۔ سچ بولنے والے۔ وعدے کے  
پکے۔ اسلام کے سچے اور پُر جوش خادم اور ہمدردی، استقلال  
پختہ ارادہ خداترسی کے نمونہ تھے۔

انہی بہادران اسلام کی جاننازانی جدوجہد کی بدولت اسلام  
نے ریگزار سے نکل کر قیصر و کسریٰ کی حکومتوں کا تختہ الٹ دیا  
اور یورپ۔ افریقہ و ایشیا میں اسلامی پرچم لہرا دیا۔

# شہید کربلا

حضرت امام حسینؑ حضرت علیؑ کے فرزند، حضرت فاطمہؑ کے جگر بند، حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے اور حضرت امام حسنؑ ان کے بڑے بھائی تھے۔

حضرت علیؑ کی وفات کے بعد لوگوں کے کہنے سننے سے حضرت امام حسینؑ چھ ماہ خلیفہ رہے۔ مگر حالات دیکھ کر انہوں نے زیادہ دیر اس بار کو اٹھائے رکھنا مناسب نہ سمجھا۔ کیونکہ مخالف لوگ ہر معاملہ میں روڑے اٹھاتے چلے آتے تھے۔

شام کا حاکم امیر معاویہ فوت ہو گیا۔ تو اس کی جگہ اس کا بیٹا یزید تخت پر بیٹھا وہ نہایت نالائق، عیاش اور مغرور آدمی تھا۔ اس وقت امام حسینؑ مدینہ میں تھے۔ وہاں سے وہ سیدھے مکے

پہنچے۔ کچھ دنوں کے بعد کوفہ سے پیغام آنے لگے۔ کہ اگر آپ یہاں  
 آجائیں۔ تو ہم سب آپ کو خلیفہ ماننے کے لئے تیار ہیں۔ پہلے تو  
 انہوں نے توجہ نہ کی۔ لیکن جب خطبوں کے ذریعے تقاضے ہوئے۔  
 تو اپنے چچیرے بھائی حضرت مسلم بن عقیل کو کوفہ بھیج دیا۔ کوفہ والے  
 شروع شروع میں تو ان کے ساتھ تھے۔ لیکن جب یزید کی طرف  
 سے ایک افسر فوج لے کر کوفہ پہنچا۔ تو وہ مسلم سے الگ ہو گئے۔  
 اور یزید کے آدمیوں نے حضرت مسلم کو شہید کر ڈالا۔ حضرت امام حسین  
 کو اس واقعہ کی خبر نہ تھی۔ وہ گھر سے نکل کر کوفہ کی طرف روانہ ہوئے  
 راستہ میں انہیں مسلم کی شہادت کی خبر ملی یہ بھی معلوم ہوا کہ یزید نے  
 ان کے روکنے کے لئے فوج بھیجی ہے۔

یہ خبر سن کر بعض لوگوں نے حضرت امام حسین کو مشورہ دیا  
 کہ حالات اچھے نہیں واپس چلے جانا چاہئے۔ مگر وہ نہ مانے۔ برابر  
 بڑھتے چلے گئے۔ یہ دیکھ کر ساتھی لوگ خوف زدہ ہو گئے۔ اور  
 چپکے چپکے کھسکنے لگے۔

صرف حضرت امام حسین کے کہنے کے لوگ اور خاص جاں نثا  
 رہ گئے۔ جن کی کل تعداد بہتر تھی۔ تن بہ تقدیر سفر کرتے رہے  
 راستہ کھن تھا، جنگل اور بیابان ہر طرف سنسان، شدت کی گرمی

دھوپ کی تیزی، آفتاب سر پر، آسمان سے آگ برس رہی تھی پانی  
 کہیں نظر نہ آتا تھا۔ سب بے سرو سامان، بھوک سے بیتاب  
 دعوت دینے والوں کا کہیں نام و نشان نہ تھا۔ کہ اگر استقبال  
 کرتے۔ وہ کیا آتے جو پہلے ہی پھر گئے تھے۔

کوئی ابھی دور تھا۔ کہ یزید کے ایک سردار نے راستہ روک  
 لیا۔ امام حسین شمال کی طرف بٹے اور کربلا کے میدان میں جو دریائے  
 دجلہ کے کنارے پر تھا۔ ڈیرے ڈال دیئے۔

یزید کی فوج کے سردار نے کہا۔ ”یا تو یزید کو خلیفہ مانئے،  
 ورنہ پانی بند کر دیا جائے گا۔“

حضرت امام حسین نے جواب دیا۔ ”میں تو بلا یا ہوا آیا  
 ہوں۔ اور مجھے بلانے والے مسلمان ہیں۔ جو یزید کے ظلم سے تنگ  
 آئے ہیں۔“ سردار نے دریا پر پھرے بٹھا دیئے۔ امام حسین اور  
 ان کے جاں نثاروں کے خیموں کو گھیر لیا۔

ادھر فوجوں کے دل تھے۔ ادھر کل بہتر جاں نثار۔ لڑائی  
 شروع ہو گئی۔ حضرت امام حسین کے بھتیجے، بھائی، بھائی،  
 رفیق، ایک ایک کر کے موت کے گھاٹ اتر گئے۔ ادھر میدان  
 میں خون بہ رہا تھا۔ ادھر عورتیں بچے پیاس کی شدت سے تڑپ

رہے تھے۔ حضرت امام حسین کی گود میں معصوم اصغر پانی کے لئے  
 بلک رہا تھا۔ آپ اسے گود میں لے کر آگے بڑھے اور کہا، ہمیں  
 نہیں تو اس معصوم کے لئے تھوڑا سا پانی لینے دو۔  
 یہ سن کسی ظالم نے ایسا تیر مارا، کہ اس کے حلق میں آپیٹھا  
 پانی کے بدلے خون کے چتہ قطروں نے معصوم کا حلق ترکیا، اور  
 جان بحق ہو گیا۔

جب سب جان نثار شہید ہو گئے، تو حضرت امام حسین  
 میدان میں نکلے۔ اور اس طرح لاش پر لاش گراتے بڑھے کہ دیکھنے  
 والوں کے سامنے حضرت علی کی جنگ کا نقشہ پھر گیا۔ اور ان  
 کی تلوار کی روانی یاد آگئی۔ آخر انہوں نے بھی جام شہادت نوش  
 کیا۔

حضرت امام حسین چاہتے، تو اپنی جان اور کنبے کی آبرو  
 بچا سکتے تھے۔ مگر انہوں نے ایک فاجر و فاسق کی بیعت سے  
 حق و صداقت کے لئے جان دینا زیادہ بہتر سمجھا۔ یہی وجہ ہے  
 کہ ہم تیرہ سو سال سے ہر برس ان کی یاد تازہ کرتے ہیں۔ اور  
 ان کی روح پر عقیدت کے پھول نثار کرتے ہیں۔



# حضرت عباسؓ ابن علیؓ

حضرت عباس ابن علی نہایت خوبصورت، بہادر اور وفادار تھے۔ ان کی والدہ فاطمہ کلابیہ عرب کے ایک مشہور بہادر خاندان کی خاتون تھیں۔

آپ بچپن ہی سے خدمتِ اسلام اور حضرت علیؓ کی جنگی سرگرمیوں میں مصروف ہو گئے۔ چنانچہ ۹ برس کی عمر میں جنگِ صفین میں جو حضرت علیؓ اور حضرت امیر معاویہ کے درمیان واقع ہوئی شامل ہو کر وادِ شجاعت دی اور ہمیشہ اسلامی کاموں میں سرگرمی سے حصہ لیتے رہے۔

حضرت امام حسینؓ جب مکہ سے کوفہ کو روانہ ہوئے۔ تو اس مختصر قافلے کے ساتھ حضرت عباسؓ شامل ہو کر جاں سپارانہ خدمات

انجام دے رہے تھے۔ جب کربلا کے میدانوں میں یزید کے حکم سے ان پر پانی بند کر دیا گیا۔ دریا تک جانے کے تمام راستے مسدود کر دیئے گئے۔ تو حضرت عباس نے اس میدانِ ریگ میں کنواں کھدوانے کی کوشش کی۔ مگر دشمنوں نے یہ بھی نہ ہونے دیا۔ آخر جب عورتیں بچے پانی کے ایک ایک قطرہ کے لئے اس خشک اور بے آب و گیاہ میدان میں ماہی بے آب کی طرح تڑپنے لگے، تو حضرت عباس ان کی اس رُوحِ فرسا اذیت کو سکونِ خاطر سے نہ دیکھ سکے۔ تلوار کمر سے باندھ۔ ایک ہاتھ میں علم اور دوسرے میں مشکیزہ لئے گھوڑے پر سوار ہو کر پانی لینے کو روانہ ہوئے۔ دریا پر دشمنوں کا پہرہ تھا۔ ان کو ہر چند سمجھایا۔ کہ معصوم بچوں اور بے گناہ عورتوں پر پانی بند کرنا انتہائی ظلم ہے۔ کچھ خدا کا خوف کرو۔ انسانیت سے کام لو۔

ان کے لئے یہ نصیحت و سہمہ برابر وٹے کور کے مصداق تھی اس کا یہ اثر ہوا کہ تمام فوج نے اچانک تیر برسائے شروع کر دیئے آپ نے اس بے جگری سے اس حملہ کا جواب دیا کہ سب تیز تیز ہو گئے آپ نے فوراً پانی کا مشکیزہ بھرا کر گھوڑے پر رکھا۔ اور خیمہ کی طرف روانہ ہوئے۔ دشمن نے پھر تیر برسائے شروع کئے۔ آپ مشکیزے

کو سینے سے لگائے دشمن کا مقابلہ کر رہے تھے کہ اچانک دشمن کے  
 ایک سپاہی نے تلوار کے ایک وار سے اُن کا دایاں ہاتھ کاٹ دیا۔  
 پھر آپ بائیں ہاتھ سے مقابلہ کرنے لگے۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک  
 ظالم نے بایاں ہاتھ بھی کاٹ ڈالا۔ اب آپ نے مشکیزہ دانتوں سے  
 پکڑ لیا۔ اور علم کو سینے سے لگائے ہوئے آگے بڑھنے لگے۔ اچانک ایک  
 تیر مشکیزے میں لگا۔ اور سارا پانی بہ گیا۔ یہ دیکھ کر آپ کو بہت صدمہ  
 ہوا۔ کیونکہ آپ اسی قیمتی امانت کی خاطر اپنے دونوں ہاتھ کٹوا چکے  
 تھے۔ تیروں کی بوچھار ہو رہی تھی۔ جسم پھلنی ہو رہا تھا۔ تلواروں کے  
 زخموں سے خون کے فوارے چھوٹ رہے تھے۔ ایک ظالم نے سر پر  
 لوہے کے گراز کا وار کیا۔ آپ ڈگنا کر زمین پر گر پڑے۔ اور تھوڑی  
 دیر کے بعد جام شہادت نوش کر کے جنت الفردوس کو روانہ ہو گئے۔  
 حضرت امام حسین یہ خبر پا کر موقع پر پہنچے۔ دشمن نے ان کی لاش کے  
 کئی ٹکڑے کر دیئے تھے۔ اس لئے صبر و شکر کر کے رنج و غم کے  
 آنسو بہاتے ہوئے اپنے خیمہ کو واپس چلے آئے  
 حضرت عباس نے حق رفاقت ادا کیا۔ اپنے بھائی اور اس  
 کے اعزہ و اقارب پر اپنی جاں نثار کر دی

## عبداللہ بن زبیر

خلافتِ امیہ کا خلیفہ عبدالملک اپنی سلطنت کو وسیع کرنا چاہتا تھا۔ اور اپنے مخالفین کو قتل کر کے اطمینان سے حکومت کرنے کا آرزو مند تھا۔ ان کاموں سے فرصت پا کر عبداللہ بن زبیر کی طرف توجہ کی جو حجاز کا حکمران تھا۔ تاکہ وہ کل اسلامی سلطنت کا وارث بن جائے۔

عبدالملک نے حجاج بن یوسف ثقفی کے ماتحت پانچ ہزار جرار فوج کو عبداللہ بن زبیر کی سرکوبی کے لئے مکہ شریف بھیجا۔ حجاج بن یوسف نے شہر مکہ کی حدود میں داخل ہوتے ہی اعلان کر دیا کہ جو لوگ اطاعت قبول کریں گے۔ ان کو پناہ دی جائے گی۔ چنانچہ دو ہزار آدمی حجاج بن یوسف کے ساتھ اور ہونے اور سات ہزار

کا لشکر مکہ شریف کی طرف بڑھا۔ عبداللہ بن زبیر بھی مقابلہ کے لئے تیار ہو گئے۔ لیکن حجاج بن یوسف نے مکہ کا محاصرہ کر لیا۔ اور باہر سے مکہ شریف پر بارود اور پتھر پھینکنے شروع کر دیے۔ عبداللہ بن زبیر اور ان کے ساتھیوں نے خوب مقابلہ کیا۔

حجاج بن یوسف نے آگ برسا کر خانہ کعبہ کو آگ لگا دی۔ تو عبداللہ بن زبیر بیت اللہ شریف سے نکل کر اپنے گھر کی طرف آئے آپ کی والدہ شریفہ اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں جن کی عمر اس وقت نوے برس کی تھی۔ نگہ جوانوں سے بڑھ کر دلیر اور شجاع، وہ بھی محصورین کے ساتھ دشمن سے مقابل تھیں اور اہل مکہ کو ہمت دلا رہی تھیں۔

حجاج بن یوسف نہایت سختی سے حملہ کر رہا تھا۔ مگر افسوس کہ عبداللہ بن زبیر کے ساتھیوں میں سے کس ہزار اور اس کے ساتھ چلے۔ یہاں تک کہ عبداللہ بن زبیر کے دونوں بیٹے حمزہ اور قیسب نے بھی دشمن کے پاس جا کر پناہ لی۔ اس واقعہ سے عبداللہ بن زبیر کی کمر ٹوٹ گئی۔ سامان حرب ختم ہونے کے قریب تھا۔ اور تمام طاقت افسر بھی دشمن کی فوج میں چلے گئے تھے۔

اس یاس ایگز حالت میں عبداللہ نے اپنی والدہ محترمہ سے



مشورہ کیا۔ تو انہوں نے کہا۔

بیٹا! اگر تم حق پر ہو۔ تو ہمت نہ ہارو۔ تمہارے

والد بھی بہادر تھے۔ انہوں نے بھی میدان جنگ میں

جام شہادت نوش کیا تھا۔ عرب کے لئے ولت کی

موت مرنا باعث شرم ہے۔ بنی امیہ کے سامنے

سزینچا کر کے اپنے خاندان کو بدنام نہ کرنا،

عبداللہ بن زبیر نے اپنی شریعت اور بہادر والدہ کے حکم

کی تعمیل کی۔ اور ان کی پیشانی کو بوسہ دے کر کہا۔

”مجھے تم سے ایسی ہی امید تھی۔ دیکھو میری موت پر

زیادہ غم نہ کرنا۔“

والدہ نے جواب دیا: ”مجھے اللہ پر بھروسہ ہے۔ اور تمہیں

اس کے سپرد کرتی ہوں۔“

غرض کہ عبداللہ بن زبیر اپنی والدہ سے رخصت حاصل کر کے

دشمن کے مقابل ہوئے اور ایک ہی حملہ سے دشمنوں کو پیچھے دھکیں کر

اپنی شجاعت کے جوہر دکھائے۔ جس طرف اپنی شمشیر خارا شکاف چلاتے

دشمنوں کے کشتوں کے پتے لگا دیتے تھے۔ جب لڑتے لڑتے تھک

گئے۔ تو کچھ دیر کے لئے رک گئے۔ اتنے میں حجاج بن یوسف کی فوج

نے ایک زبردست حملہ کر کے۔ آپ کے تمام ہمراہیوں کو قتل کر ڈالا۔

اگرچہ ابن زبیر اب تنہا رہ گئے تھے لیکن دشمنوں میں سے کسی کو جرات نہ ہوئی۔ کہ بڑھ کر آپ کو گرفتار کریں۔ بلکہ وہ وہی سے تیروں کی بجائے پتھر پھینکنے شروع کئے۔

ادھر عبداللہ بن زبیر بھی پتھر کا جواب پتھر سے دیتے رہے آخر ایک پتھر آپ کی پیشانی پر رکا۔ جس سے آپ پر غشی طاری ہو گئی یہ حالت دیکھ کر جب دشمنوں نے نعرہ بلند کیا۔ تو آپ نے ہوش میں آکر دشمنوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔

”دیکھو! میرے زخم کا خون آگے کو گرتا ہے۔ پیٹھ پر نہیں گرتا۔“ (یعنی ہم مقابلہ میں زخمی ہوئے ہیں۔ بھاگتے ہوئے زخمی نہیں ہوتے)

آخر زیادہ خون نکلنے کے باعث آپ کی طاقت زائل ہو گئی۔ اور دشمنوں نے نزدیک آکر آپ کو شہید کر دیا۔

اس اُلوالعزم بہادر کی شہادت کے بعد عرب کے تمام سردار عبدالملک سے جا ملے۔ حرت وائی خراسان نے اطاعت قبول نہ کی۔ عبدالملک نے عبداللہ بن زبیر کا سر مبارک عبداللہ بن ہبیر بن

کے پاس روانہ کر کے اس کو عبرت دلا کر کہلا بھیجا کہ اگر تم میری اطاعت  
 قبول نہ کرو گے۔ تو تمہاری بھی یہی حالت ہوگی۔ لیکن وہ عبدالملک  
 کی اس حرکت سے سخت ناراض ہوا۔ عبداللہ بن زبیر کے سر مبارک  
 کو غسل دے کر نہایت تکریم و تعظیم کے ساتھ مدینہ شریف میں  
 خاندان زبیر کے پاس روانہ کر کے عبدالملک کے قاصد کو یہ جواب دیا  
 "عبدالملک سے کہہ دینا کہ تم ظالم ہو۔ ظلم کا بدلہ خدا  
 دے گا۔ میں تم کو بھی قتل کر دیتا۔ مگر قاصد ہونے کے  
 خیال سے چھوڑتا ہوں۔"

## محمد بن قاسم

محمد بن قاسم کی عمر سولہ سترہ سال سے زیادہ نہ تھی۔ بڑا بہادر  
یڑا دلیر اور اسلام کا سچا جان نثار۔ حجاج بن یوسف والے عراق و  
بصرہ کا داماد تھا۔

جب عبید اللہ بن بنیان ۹۲ھ میں سندھ میں داخل ہوا  
دیتا ہوا شہید ہو گیا۔ تو اس کی اس مہم کو سر کرنے کے لئے حجاج بن  
یوسف نے محمد بن قاسم کو سردار شکر مقرر کر کے بھیجا۔

اس نے چھ سات سال اس قابلیت، شجاعت اور دانائی  
سے جنگ کی کہ سندھ اور بلتان اور قریب و جوار کا تمام علاقہ اس  
کے زیر نگیں ہو گیا۔ کئی راجے قتل ہوئے۔ اور اطاعت قبول کر کے  
اسلام کے سائے میں آئے۔ یہ پہلا مسلمان فاتح تھا جس نے

ہندوستان میں اسلامیت کا بیج بویا۔ جو رفتہ رفتہ پھوٹا، پھولا، پھلا  
 اور ایک ایک درخت بن گیا۔ جو تمام ہندوستان پر چھا گیا۔ یہ وہ  
 علاقہ تھا۔ جہاں راجہ داہر کی حکومت تھی۔ کئی راجے اُس کے قریب  
 ہوا میں حکومت کرتے تھے۔

جہاں رات دن مندروں میں گھنٹوں کی آواز سنائی دیتی تھی  
 بتوں کے آگے پرارتھنا کی جاتی تھی۔ اب پانچ وقت اللہ اکبر کی  
 سدا گونجنے لگی اور اسلام کا پرچم اُہرانے لگا۔

محمد بن قاسم نے بہت سا مال غنیمت دار الخلافت میں  
 بھجوا۔ غلام اور لونڈیاں وہاں پہنچائیں

خلیفہ ولید و نیا سے رخصت ہو گیا۔ اور محمد بن قاسم کے  
 مرتبی حجاج نے بھی داعی اجل کو لبیک کہا۔

ولید کے بعد اس کا بھائی سلیمان بن عبد الملک تختِ خلافت  
 پر متمکن ہوا۔ جو خاندانِ حجاج کا مخالف تھا۔ بعض حاسدوں کی غلط  
 شکایات اور جھوٹی افواہیں سلیمان کے پاس پہنچیں۔ اس نے  
 محمد بن قاسم کو جو تسخیرِ سندھ کے بعد ملکی نظم و نسق میں مصروف تھا  
 معزول کر دیا۔ اور اس کی جگہ یزید بن ابی کیشیہ کو مقرر کر کے سندھ  
 روانہ کیا۔ یزید بہت جلد سندھ پہنچ گیا۔ وہاں جاتے ہی اس نے



محمد بن قاسم کو گرفتار کیا۔ اور اس فاتح سندھ کو ٹاٹ کے  
 کپڑے پہنائے۔ ہاتھ پاؤں میں زنجیریں ڈال دیں۔ اور معویہ بن  
 مہلب کی حراست میں عراق کو روانہ کر دیا۔  
 جب محمد بن قاسم خلیفہ کے سامنے پیش ہوا۔ تو بغیر تحقیقات  
 اور جواب طلبی کے سیدھا قیدخانہ میں بھیج دیا گیا۔ جہاں وہ امیری  
 کی حالت میں قید و بند کے مظالم چھیلتا ہوا اس دنیا سے رخصت  
 ہوا۔

خلیفہ سلیمان بن عبد الملک کا یہ ظالمانہ کارنامہ تاریخ اسلام  
 میں خلافتِ امیہ کے دامن پر ایک بد نما و صہبہ ہے۔ چھ سات سال  
 کی جاں سپارانہ خدمات، ایک عظیم ملک کی فتح، اسلام کی تبلیغ و  
 اشاعت کا یہ عجیب صلہ ہے۔ کہ اس کو مجرم بنا کر قیدخانہ میں موت  
 کا جام نوش کرنے کے لئے مجبور کیا گیا۔

خلیفہ سلیمان نے نہ صرف محمد بن قاسم کے ساتھ یہ افسوسناک  
 سلوک کیا۔ بلکہ اور بھی بہت سے افسروں کو اس نے بلاوجہ موت  
 کے گھاٹ اتارا۔ اور آخر خود بھی ۹۹ھ میں حکومت و ثروت  
 اور جاہ و جلال چھوڑ کر زمین کے نیچے پناہ گزیں ہوا۔

# حضرت عمر بن عبدالعزیز

حضرت عمر فاروق کا نام ان کی منکسر مزاجی، معدلت پروری، رعایا تواری، سادگی اور انتظامی قابلیت کی وجہ سے مشہور ہے۔ خلافتِ بنی امیہ کے دوران میں حضرت عمر بن عبدالعزیز خلیفہ ہوئے۔ جنہوں نے فاروقِ اعظم کی یاد تازہ کر دی۔ اور اکثر جلیل القدر علماء کا خیال ہے۔ کہ خلفائے راشدین پانچ تھے۔ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے بعد عمر بن عبدالعزیزؓ پانچویں خلیفہ تھے۔ جنہوں نے اپنی خوبیوں کی وجہ سے اسلام کی شان دوبالا کر دی۔

آپ ۶۳ھ میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ باپ کا نام عبدالعزیز بن مروان تھا۔ اور والدہ حضرت عمر کی پوتی تھی۔ مدینہ

میں تعلیم حاصل کی۔ اور علم میں کمال حاصل کیا۔ ان کے والد مہر  
 کے گورنر تھے۔ ان کی وفات پر آپ کے چچا عبدالملک خلیفہ وقت  
 نے دمشق بلا لیا۔ اور اپنی لڑکی کی شادی ان سے کر دی۔

عبدالملک کے بعد اس کا بیٹا ولید خلیفہ ہوا۔ تو اس نے آپ  
 کو مدینہ کا حاکم اعلیٰ مقرر کیا۔ ۸۶ھ تک مدینہ کے حاکم رہے۔ اس  
 عرصہ میں امیر حج بن کر حج کو گئے۔

ولید اپنے بیٹے کو خلیفہ بنانا چاہتا تھا۔ مگر اصل حقدار  
 اس کا چھوٹا بھائی سلیمان تھا۔ حضرت عمر نے اس معاملہ میں کھلے  
 طور پر ولید کی مخالفت کی۔ اس نے ناراض ہو کر مدینہ کی گورنری  
 سے علیحدہ کر کے تین سال قید کر دیا۔ لیکن پھر جب سلیمان خلیفہ ہوا  
 تو اس نے آپ کو اپنا وزیر اعظم بنایا۔ اور مرتے وقت وصیت  
 کی۔ کہ میرے بعد عمر بن عبدالعزیز کو خلیفہ بنایا جائے۔

جب سلیمان کی وصیت کے مطابق آپ خلیفہ بنائے گئے  
 اور بیعت کے کام سے فارغ ہو کر گھر آئے۔ تو آپ کی ڈاڑھی  
 آنسوؤں سے تر تھی۔ بیوی نے پوچھا۔ کہ خیریت ہے؟

آپ نے فرمایا: خیریت کہاں۔ میرے کندھوں  
 پر امت محمدی کی فلاح و بہبود کا سارا بوجھ ڈال دیا گیا ہے

اسی خوف سے رو رہا ہوں۔ کہ ایسا نہ ہو۔ قیامت کے  
 دن مجھ سے پوچھا جائے اور میں جواب نہ دے سکوں۔  
 خلافت سے پہلے آپ امیرانہ لباس پہنا کرتے تھے مگر  
 خلیفہ ہونے پر حضرت عمر کی سی سادگی اختیار کر لی۔ آپ کے کرتے  
 کو پیوند لگے ہوئے ہوتے تھے شاہی اصطلح کے گھوڑوں کی بجائے اپنے  
 چرخ پر سوار ہوتے تھے خلیفہ ہونے کے فوراً بعد اپنی بیوی کو حکم دیا کہ اپنے زیورات  
 شاہی خزانہ میں داخل کرادے۔ آپ کا خیال تھا کہ اس کے  
 باپ عبدالملک نے شاہی خانہ سے تیار کرائے  
 ہیں۔

آپ نے سب امیروں کو جمع کر کے حکم دیا۔ کہ لوگوں کی چھٹی  
 ہوتی جائدادیں واپس کر دو۔ تم بیشک میرے رشتہ دار ہو مگر میرے  
 نزدیک غریب سے غریب مسلمان ہیں اور تم میں کوئی فرق نہیں  
 اسلام مساوات سکھاتا ہے۔ اور حضور نبی کریم نے یہی تعلیم  
 دی ہے۔ "بنو امیہ کو ان کا یہ حکم پسند نہ آیا۔ وہ دل سے ان سے  
 دشمنی رکھنے لگے۔

نہایت اعلیٰ درجہ کے منتظم تھے۔ اور دیندار متقی لوگوں کو  
 حاکم بنایا تھا۔ جراح بن عبداللہ حاکم خراسان رمضان شریف

میں سفر کر کے حاضر دربار ہوا۔ آپ ناراض ہو گئے۔ اور فرمایا: "مضان  
 گزرنے کا انتظار کیوں نہ کیا۔ یہ سفر اس کے بعد بھی ہو سکتا تھا۔ آپ  
 کی نیکی اور انصاف پسندی کی بدولت آپ کی سلطنت سندھ،  
 پنجاب، بخارا، ترکستان، چین سے لے کر مراکش، اسپین اور فرانس  
 تک پھیلی ہوئی تھی۔"

مالک بن دینار کہتے ہیں کہ عمر عبدالعزیز خلیفہ ہوئے  
 تو چہرہ وا ہے تعجب سے دریافت کرنے لگے۔ کہ کون شخص  
 خلیفہ ہوا ہے کہ بھیرے ہماری بکریوں کو کچھ نقصان  
 نہیں پہنچاتے۔

ان کے عدل و انصاف سے لوگ اس قدر خوشحال تھے کہ  
 امیر لوگ صدقے لے کر فقیروں کی تلاش میں پھرتے تھے۔ مگر کوئی  
 لینے والا نہ ملتا تھا۔

آپ کی عادت تھی کہ جب تک آپ کے پاس بیٹھنے والے  
 نوک، سلطنت کے معاملات میں بات چیت کرتے۔ آپ بیت المال  
 کا چراغ جلائے رکھتے لیکن جب وہ چلے جاتے۔ تو اسے گل کر کے  
 اپنا چراغ جلاتے۔

خادم کو پانی گرم کرنے کے لئے کہا۔ وہ سرکاری باورچی خانہ



سے کر لایا۔ آپ کو علم ہوا۔ تو آپ نے ایک درم کی لکڑیاں سرکاری  
باورچی خانہ میں بھجوا دیں۔

رجا بن حیات کہتے ہیں۔ کہ ایک دن میں آپ کے پاس  
بیٹھا تھا۔ کہ چراغ گل ہو گیا۔ وہیں آپ کا خادم سو رہا تھا۔ میں نے  
چاہا۔ کہ جگا دوں۔ آپ نے منع فرمایا۔ پھر میں نے چاہا۔ کہ خود اٹھ  
کر چراغ جلا دوں۔ آپ نے فرمایا۔ مہمان کو تکلیف دینا اچھا نہیں۔  
خود اٹھے۔ چراغ میں تیل ڈالا۔ اور جلا کر اپنی جگہ پر آ بیٹھے اور فرمایا۔  
میں اب بھی وہی عمر ہوں۔ جو پہلے تھا۔ اپنے ہاتھ

سے کام کرنے میں میرے مرتبہ میں کوئی فرق نہیں آتا۔  
اے اتنی فوجوں کے مالک، اسلام کے پتے پرستار، امت نبوی  
کے خادم رعایا کے ہمدرد کا مبارک وجود بغض حاسد اور کینہ توز لوگوں  
کی نظروں میں کھٹکتا تھا۔ وہ گھات میں لگے تھے۔ آخر ایک دن اپنے  
ناپاک مقصد میں کامیاب ہو گئے۔ اور ایک غلام کے ہاتھ سے انہیں  
زہر دیا۔ اس کے عوض غلام کو ایک ہزار اشرفی دی گئی۔ جب  
انہیں معلوم ہوا۔ تو غلام کو اپنے پاس بلایا۔ اور رشوت کی تمام اشرفیاں  
لے کر بیت المال میں بھجوا دیں اور فرمایا۔ جاؤ میں تمہیں اللہ کے لئے  
معاف اور آزاد کرتا ہوں۔ جب بیماری خطرناک صورت اختیار

کرنے لگی، تو یزید بن عبد الملک ولی عہد کے حق میں وصیت نامہ لکھوا یا  
 "اب میں آخرت کی طرف چلا جا رہا ہوں۔ وہاں خدا تعالیٰ مجھ  
 سے سوال کرے گا۔ حساب لے گا۔ اور میں اس سے کچھ چھپانہ سکو  
 اگر وہ مجھ سے راضی ہو گیا۔ تو میں کامیاب ہوں۔ اگر وہ راضی نہ ہوا۔ تو  
 افسوس میرے انجام پر، تم کو میرے بعد تقویٰ اختیار کرنا چاہئے۔  
 رعایا کا خیال رکھنا چاہئے۔ تم میرے بعد دیر تک زندہ نہ رہو گے۔  
 ایسا نہ ہو کہ تم غفلت میں پڑ جاؤ۔ اور تلافی کا وقت ضائع کر دو۔"  
 اور اپنی اولاد کے لئے فرمایا: "میرا اور ان کا وارث صرف  
 خدا ہے۔ میں اسی کے سپرد کرتا ہوں، اگر یہ اللہ تعالیٰ سے ڈریں گے  
 تو وہ ان کے لئے کوئی سبیل نکالے گا۔ اگر یہ گناہوں میں مبتلا ہونگے  
 تو میں انہیں مال و دولت دے کر ان کے گناہوں کو زیادہ نہیں  
 کروں گا۔"

## خلیفہ عمر بن عبد العزیز کا انصاف

پسر عبد عزیز اموی، عدل میں ثانی ابن الخطاب  
 جب بلا تخت خلافت ان کو ہو گیا گلشن گیتی، شاداب

ایک شب گھر سے چلے بہر نماز  
 کوئی آوارہ وطن تند مزاج  
 پاؤں کا اُن کے مٹھو کا جو لگا  
 خیر ہے کیا کوئی مجنوں ہے تو  
 ہنس کے فرمایا کہ مجنوں نہیں میں  
 ہاں مگر ہو گئی مجھ سے تقصیر  
 چو بداروں نے کیا اُس کو اسیر  
 آپ نے روک دیا اُن کو وہیں  
 اس نے اک بات فقط پوچھی تھی  
 بات قطعی تو نہیں اُس نے کہی،  
 اتنی سی بات یہ جوش و غضب

بیلوں کو میں ستاؤں کیوں کر  
 مجھ کو دینا ہے قیامت میں جواب

(شبلی نعمانی)

# حضرت امام ابو حنیفہ

حضرت امام ابو حنیفہ جو ایک بڑے عالم دین، فقیہ اور محقق تھے۔ پہلی صدی ہجری بمقام کوفہ پیدا ہوئے۔ مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد ان کی پیروی کا رہے۔ جنہیں حنفی اہل سنت والجماعت اور سنی کہا جاتا ہے۔

انہوں نے تحصیل علوم کے بعد کوفہ میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ پشمارہ شاگردوں گئے۔ اس وقت آپ کے پایہ کا کوئی عالم موجود نہ تھا۔ بڑے متقی، نابدا، تق پرست، راست باز اور بے خوف تھے۔ چالیس برس عشا کے وضو سے صبح کی نماز پڑھی ساری ساری رات خدا کے حضور میں کھڑے رہتے۔ کئی دفعہ ایک ایک رکعت میں سارا قرآن شریف ختم کیا۔ پچیس حج کئے۔ بیس سال تک

روزے رکھے۔

پہلے پہل آپ کپڑے کی تجارت کرتے تھے۔ پھر چھوڑ دی یہاں  
تک کہ گوشہ نشین ہونے کا ارادہ کر لیا۔ اسی دوران میں آپ کو سرو  
کائنات کی زیارت ہوئی۔ انہوں نے فرمایا:-

ابو حنیفہ! تمہیں خدا نے میری سنت کو زندہ کرنے

کے لئے پیدا کیا ہے۔ دنیا ترک کرنے کا خیال چھوڑ دو۔

اور دنیا میں رہ کر اللہ کی نزدیکی حاصل کرو۔

اس کے بعد آپ پھر خلق خدا کی خدمت میں مصروف ہو گئے۔

حضرت داؤد طائی کہتے ہیں کہ میں بیس سال تک آپ کی خدمت

میں رہا۔ میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ آپ سر ننگے بیٹھے ہوں۔ اور آرام

لینے کے لئے کبھی تنہائی میں بھی پاؤں و راز کئے ہوں۔

میں نے عرض کیا۔ کہ حضرت! اگر آپ تنہائی میں پاؤں پھیلا

کر بیٹھ جائیں تو کیا ہرج ہے۔

فرمایا۔ تنہائی میں خدا سے شرم کرنا اصل تقویٰ ہے۔

حضرت امام ابو حنیفہ کے زمانہ میں خلافت عباسیہ کے

دوسرے خلیفہ ابو جعفر منصور کی حکومت تھی۔ آپ سچ بولتے تھے

اور دوسروں کو سچ بولنے کا حکم دیتے۔



ایک دفعہ ابو حنیفہ منصور نے کوئی تحریر لکھوائی جس میں بعض  
 افسروں کو بعض محکمے سپرد کئے گئے تھے۔ یہ کاغذ خادم کو دیا کہ فلاں  
 فلاں مسلمان کی گواہی کرالو۔ ان میں حضرت امام صاحب کا نام بھی  
 تھا جب شاہی خادم ان کے پاس پہنچا۔ تو آپ نے فرمایا کہ حبیب  
 تک امیر المؤمنین کے سامنے ہو کر پوچھ نہ لوں۔ کہ یہ تحریر آپ نے  
 لکھوائی ہے۔ اس وقت تک گواہی نہ کروں گا۔ یا امیر المؤمنین  
 مجھے اپنے پاس بلا لیں۔ یا خود آئیں۔ تاکہ میں دریافت کر سکوں۔  
 نوکر ذرا بگڑا۔ کہ باقی علمائے دستخط کر دیتے ہیں۔ آپ کیوں  
 نہیں کرتے۔ مگر آپ نہ مانے۔

خلیفہ کو معلوم ہوا۔ تو آپ نے ان کے استاد شیعہ کو بلا یا۔ جو  
 اس وقت سب سے بڑا قاضی تھا۔

پوچھا۔ گواہی میں ایک دوسرے کے آئنے سامنے ہونا  
 ضروری ہوتا ہے۔

کہا۔ ہاں۔ خلیفہ نے کہا۔ پھر آپ نے مجھے دیکھے بغیر  
 گواہی کیوں کر دی۔

قاضی صاحب گہرائے اورائیں بائیں کرنے لگے  
 خلیفہ نے اسی وقت ان کو قاضی کے منصب سے علیحدہ کر

دیا۔ اور حضرت امام کو بلا کر ان کی سچائی کی تعریف کی اور یہ عہدہ ان کی خدمت میں پیش کیا۔

امام صاحب منکسر مزاج تھے اور دنیاوی شان و شوکت سے گھبراتے تھے آپ نے انکار کر دیا۔ بلکہ اس زمانہ کے سب سے بڑے علماء میں سے ایک شخص مشرک نے جو امام کا دوست تھا۔ یہ عہدہ قبول کر لیا۔ آپ نے اس سے میل جول بند کر دیا۔

خلیفہ منصور عباسی سے پہلے ہر شہر میں ایک قاضی ہوتا تھا۔ خلیفہ منصور نے دار الخلافت میں قاضی القضاہ (چیف جج) کا نیا عہدہ قائم کیا۔ جس کے لئے حضرت امام سے بڑھ کر کوئی قابل نہ تھا۔ مگر امام صاحب نے انکار کر دیا۔

منصور طبیعت کا سخت تھا۔ اس نے اس انکار کو حکم عدو اور نافرمانی سمجھا۔ اور حضرت کو قید کر دیا۔ انہوں نے اس حکم کو خوشی سے منظور کیا۔ مگر اپنے ضمیر کے خلاف قاضی القضاہ کا عہدہ قبول نہ کیا۔ اور اس اعزاز پر قید خانہ کی زندگی کو ترجیح دی۔

شہرہ میں انہیں قید خانہ ہی میں زہر دے کر واصل بحق کیا گیا۔

# فاریخ اندلس

ولید کے عہدِ خلافت میں طارق بن زیاد مصر کے ایک ضلع  
طنجہ کا حاکم تھا جو نہایت فتنم، جنگ آزمودہ اور دلیر شخص تھا۔ گورنر  
مصر موسیٰ ابن نصیر نے طارق کو ۹۲ھ میں سواحل ہسپانیہ کی طرف  
روانہ کیا۔ اور اسی مہم میں فتوحات حاصل کرتا ہوا، اندلس کے  
قریب پہنچا۔ تو سامنل پر فوج اتار دی۔ اور حکم دیا کہ کشتیاں  
جلا دو۔“

اس واقعہ کو حضرت اقبال نے نہایت خوبصورتی سے  
تکم کیا ہے۔

طارق چو برکنارہ اندلس سفینہ سخت  
گفتند کار تو بنگاہِ خرد خطاست

دوریم از سوادِ وطن باز چوں رسم  
 ترکِ سبب بروئے شریعت کجا دست  
 خنذید و دست بر سر شمشیر بردو گفت  
 ہر ملک ملکِ ماست کہ تک خدائے ماست

اندلس میں ان دنوں قوم کا شہد آباد تھی۔ اس قوم کا سردار  
 کونٹسٹ جولین تھا۔ جس نے طارق کا مقابلہ کیا۔ مگر بہادرانِ اسلام  
 کے حملہ کی تاب نہ لا کر شہر قیوط کے قلعہ میں پناہ گزیں ہوا۔ لیکن  
 بہادر طارق نے بجلی کی طرح شہر قیوط کو محاصرہ میں لے لیا۔ آخر  
 کونٹسٹ جولین نے اس محاصرہ سے تنگ آکر نہ فقط قلعہ قیوط کو  
 مسلمانوں کے قبضہ میں دینے کا وعدہ کیا۔ بلکہ شہر اندلس کو بھی  
 بہادرانِ اسلام کی نذر کر کے امان حاصل کرنے کی استدعا کی  
 اس استدعا کے مطابق طارق مع اپنے کئی سو مسلمانوں کے  
 جہاز پر سوار ہو کر جزیرہ الحفر میں گیا۔ جہاں کونٹسٹ جولین کے  
 قول کی سچائی کی تصدیق کی گئی۔ اور مسلمانوں کا اندلس پر تسلط  
 ہو گیا۔ طارق کو اس عظیم الشان فتح کی نہایت خوشی ہوئی  
 اور اس فتح کی یادگار میں اس نے اندلس کے کنارے جبرالٹر  
 دیہ پہاڑ مثلث شکل کا سمندر میں واقع ہے، پر ایک مستحکم

قلعہ بنایا، جو جبل طارق کے نام سے مشہور ہے۔ علاوہ  
 آندلس شہر کے کٹھیٹیل، قسطنطنیہ سے لے کر پرتگال کے علاقہ میں  
 بہادرانِ اسلام نے اپنا اسلامی پرچم لہرا دیا۔  
 طارق کے پاس معمولی فوج۔ مختصر سامانِ جنگ۔ وطن سے  
 دور۔ دیارِ غیر۔ مگر اس نے خدا پر بھروسہ کر کے اسلامی جوش  
 سے کام لے کر۔ حق و صداقت کے بل پر اس قدر بہاوری دکھائی کہ  
 ملک پر تسلط ہو گیا۔ مضبوط۔ مخالف اور پائدار سیاحی حکومت کے  
 پاؤں اکھڑ گئے۔ آج طارق دنیا میں نہیں۔ مگر اس کے لاثانی کارنامے  
 ہمیشہ یادگار رہیں گے۔

مردوں کا آسمان کے تلے نام رہ گیا



## بایزید بلدرم

خاندان عثمان کا ہونہار اور قابل ترین فرزند بایزید ۱۴۹۲ء  
میں روم پر حکومت کر رہا تھا۔ جسے خلیفہ اسلام المتوکل علی اللہ نے  
جس کا پایہ تخت مصر تھا۔ اسے سلطان روم کا خطاب دیا۔  
بایزید بڑا نیک شریف اور بہادر تھا جس نے سلطنت عثمانیہ  
کی بنیادیں استوار کیں اور اپنے عہد حکومت میں رعایا کی خوشحالی  
اور فراغت بانی میں خاص توجہ دی۔ سلطنت کا نظام نہایت پیدار مغربی  
سے قائم کیا۔ سلطنت کی توسیع کی۔ اور دشمنوں کے حملوں کا وندان  
شکین جواب دیا۔ جو مقابل آیا۔ اسے شکست فاش دی۔  
خاندان عثمان کی ترقی خوشحالی اور حکومت بایزید کے عہد  
سے شروع ہوئی۔ جو رفتہ رفتہ تمام دنیا میں مشہور ہو گیا جس کا اقتدار

یورپ اور ایشیا میں مسلم تھا۔ اور بڑے بڑے مسیحی تاجدار خلفائے  
 عثمانیہ کے آگے سر تسلیم خم کرنے پر مجبور ہوئے۔  
 دشمن سے سلوک :- ترکوں کی فتوحات کا دائرہ اس قدر  
 وسیع ہو گیا کہ بالآخر یورپ کے عیسائی حکمران مل کر بائزید کے  
 مقابلے کو نکلے۔ لیکن انہوں نے شکست کھائی۔ جنگی قیدیوں میں  
 ڈیوک آف برانڈی کا بیٹا جان کونٹ ڈی نیواس بھی تھا۔ وہ اس  
 کے چوبیس سا بھتی ایک سال تک بائزید کی حراست میں  
 رہے۔ اور انہیں ان کی حیثیت کے مطابق عزت و احترام سے  
 رکھا گیا۔ جوہنی فرانس سے زبردیہ آ گیا۔ انہیں وطن جانے کی اجازت  
 دے دی گئی۔ جب یہ لوگ رخصت ہونے لگے۔ تو بائزید نے انہیں  
 مخاطب کر کے کہا :-

”جان! مجھے خوب معلوم ہے۔ کہ تو اپنے ملک میں  
 ایک بڑا سردار اور طاقتور رئیس کا بیٹا ہے۔ تو نوجوان  
 ہے۔ اور ابھی تیرے لئے امید کے بہت سے سال  
 باقی ہیں۔ لیکن ہے۔ میدان جنگ میں تیری اس پہلی  
 کوشش کی ناکامی پر لوگ تجھے قابل الزام ٹھہرائیں  
 اور تو اس اتہام کو رفع کرنے اور اپنی شہرت و نیک نامی

کو دوبارہ حاصل کرنے کی غرض سے ایک طاقتور  
 فوج کو اکٹھا کر کے میرے مقابلہ میں جنگ کے لئے  
 آئے۔ اگر میں تجھ سے ڈرتا۔ تو تجھ سے اور تیرے ساتھیوں  
 سے تیرے ایمان اور عزت پر حلف لے لیتا کہ نہ تو  
 اور نہ وہ کبھی میرے مقابلے پر ہتھیار اٹھائیں گے لیکن  
 نہیں میں ایسے حلف کا مطالبہ نہ کروں گا۔ برخلاف اس  
 کے میں خوش ہوں گا۔ اگر تو اپنے ملک میں واپس پہنچ کر  
 ایک فوج جمع کرے۔ اور اسے لے کر یہاں آئے۔ تو مجھے  
 ہمیشہ میدان جنگ میں اپنے مقابلہ کے لئے تیار پائیں گا  
 جو بات میں اس وقت کہہ رہا ہوں۔ اسے جس شخص سے  
 بھی چاہے کہ دنیا کیونکہ میں ہمیشہ جنگی کارناموں میں اپنی  
 فتوحات کو وسیع کرنے کے لئے تیار اور خواہشمند  
 رہتا ہوں۔

بایزید کا انجام بہت عبرت ناک ہے۔ حالات نے اس قدر  
 پلٹا دکھایا کہ بایزید سلطان تیمور کے سامنے دست بستہ لایا گیا جب  
 بایزید سامنے آیا۔ تو تیمور نے بڑھ کر اس کا استقبال کیا۔ اور اس  
 کے ہاتھ کھلوا کر عزت و احترام کے ساتھ اپنے قریب بٹھایا۔ پھر

اس کی حالت پر افسوس اور ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے کہا  
 کہ اگرچہ احوال عالم تمام تر خداوند تعالیٰ کے ارادہ قدرت کے مطابق  
 پیش آتے ہیں۔ اور کسی دوسرے کو حقیقتاً کوئی اختیار و اقتدار  
 حاصل نہیں ہے۔ تاہم انصاف اور حق یہ ہے کہ تم پر جو مصیبت  
 آئی ہے۔ وہ خود تمہاری لائی ہوئی ہے۔ تم نے بار بار اپنی حد سے باہر  
 قدم رکھا۔ اور بالآخر مجھے انتقام پر مجبور کر دیا۔ پھر بھی چونکہ تم کفار سے  
 جہاد کر رہے تھے۔ میں نے بہت تحمل کیا۔ اور ان حالات میں جو فرض  
 ایک خیر اندیش مسلمان کا تھا۔ اسے بجالایا۔ میری خواہش تھی کہ اگر  
 تم فرمانبرداری کی راہ اختیار کرو۔ تو مال و لشکر کی جس قدر ضرورت  
 تمہیں ہو۔ اس سے تمہاری مدد کروں۔ تاکہ تم اطمینان و قوت کے  
 ساتھ جہاد میں مشغول رہ سکو۔ اور دیار اسلام کے اطراف و اکناف  
 بے دینوں کے شرک کی شرکت کو فنا کر دو۔ لیکن تم نے سرکشی اور عناد  
 اختیار کیا۔ حتیٰ کہ معاملہ یہاں تک پہنچ گیا۔ سب جانتے ہیں کہ اگر  
 صورت حال اس کے برعکس ہوتی۔ اور یہ قوت و غلبہ جو خداوند تعالیٰ  
 نے مجھ کو بخشا ہے۔ تم کو حاصل ہوتا۔ تو اس وقت مجھ پر اور میرے  
 لشکر پر کیا گزرتی۔ لیکن فتح کے شکر نے میں جو خدا کے فضل و کرم سے  
 مجھے حاصل ہوئی ہے۔ میں تمہارے اور تمہارے آدمیوں کے ساتھ



بھلائی کے ساتھ کچھ نہ کر سکوں گا  
 بایزید کا انجام :- بایزید کو تیمور نے خلعتِ شاہانہ پہننا  
 کر اس کے لئے اپنے چمے کے قریب ایک عالیشان خیمہ نصب  
 کر دیا۔ شہزادہ موسیٰ جو قید میں تھا۔ اسے آزاد کر کے باپ کے  
 پاس رہنے کی اجازت دیدی۔ حرم سلطان کو اس خیمے میں رہنے کی اجازت  
 مل گئی۔ لیکن یہ شاہی عنایات بایزید کے زخمی دل پر نمک کا کام دے رہی  
 تھیں اور شاہی خیمہ اس کے لئے قید خانہ تھا۔ کہاں وہ سلطانی جاہ و جلال  
 اور کہاں یہ حالت کہ رات دن خیمے میں پڑے رہو۔

بایزید کے لئے یہ حالت ناقابلِ برداشت ہو گئی اور مضطرب  
 ہو گیا۔ اور نکل بھاگنے کا عزم کر لیا۔ لیکن اس کی اطلاع تیمور کو  
 مل گئی۔ اور نتیجہ یہ ہوا کہ بایزید کی نگرانی سختی کے ساتھ ہونے  
 لگی۔ تاتاری لشکر جیب ایک مقام سے دوسرے مقام کو کوچ  
 کرتا تو تیمور بایزید کو بھی ساتھ رکھتا۔ بایزید ایک پالکی میں سفر  
 کرتا تھا۔ جس پر پردہ پٹا رہتا تھا۔ اس پالکی میں لوہے کی جالی  
 کا کام تھا۔ جس کی بنا پر مشہور ہو گیا کہ تیمور قیدی سلطان کو لوہے  
 کے پنجرے میں بند رکھتا ہے اور جہاں جاتا ہے۔ اپنے ساتھ اس  
 کو پنجرے میں لے جاتا ہے۔



بایزید کے لئے یہ حالت ناقابلِ برداشت ہوتی گئی۔  
 اور آٹھ ماہ اس قید میں رہ کر ہمیشہ کے لئے آزاد ہو گیا تیمور  
 کو جب اس کی اطلاع ہوئی۔ تو وہ آپدیدہ ہو گیا۔ کیونکہ فاتح سلطان  
 کا انجام کتنا حسرت ناک تھا۔ جس نے لاکھوں انسانوں کو قتل  
 کرا دیا تھا۔ اور اس کا دل کبھی نہ لرزا تھا۔ تیمور نے موسیٰ (فرزند  
 بایزید) کو جو باپ کے ساتھ قید تھا) کو آزاد کر کے بایزید کی نعش  
 شاہانہ احترام کے ساتھ یروما کو روانہ کی۔ جہاں اس کو سابق  
 تاجداران عثمانی کے پہلو میں دفن کر دیا گیا۔

افسوس ہے کہ تیمور اور بایزید کی باہمی چپقلش نے ایک  
 زبردست تاجدار کی جان لی۔ جس نے اسلام کی شان و شوکت  
 بڑھانے اور اسلامی حکومت کو وسیع کرنے میں نہایت ہمت و  
 جرات اور عقل و تدبیر سے کام لیا تھا۔

# حافظ پاشا کا قتل

سلطان مراد رابع (۱۰۳۲ھ تا ۱۰۵۰ھ) کا عہد حکومت تھا۔ اور وزارتِ عظمیٰ پر حافظ پاشا مقرر تھے کہ فوج نے بغاوت کر دی اور انہوں نے قصر سلطانی کے سامنے جمع ہو کر حافظ پاشا کے قتل کا مطالبہ کیا۔ سلطان نے باغیوں کو سمجھانے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن نتیجہ کچھ نہ نکلا۔ آخر کار سلطان نے مجبور ہو کر حافظ پاشا کو بلا بھیجا۔ اور باغیوں کا مطالبہ بتایا۔ یہ سن کر حافظ پاشا نے جواب دیا:-

”میرے آقا! حافظ جیسے ہزاروں غلام آپ پر  
نثار! میری استدعا صرف یہ ہے۔ کہ آپ اپنے ہاتھ  
سے قتل نہ کریں۔ بلکہ مجھے ان باغیوں کے سپرد کریں

تاکہ مجھے شہادت کا مرتبہ نصیب ہو۔ اور میرے  
بے گناہ خون کا وبال ان پر ہو۔“

اس کے بعد حافظ پاشا۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ لَّا حَوْلَ وَلَا  
قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاٰجِعُوْنَ“ پڑھتے  
ہوئے نہایت دلیری سے آگے بڑھے۔ یہ منتظر اس قدر وقت انگیز  
تھا۔ کہ سلطان اپنے آنسو ضبط نہ کر سکا۔ سارے درباری بھی  
اشک بار تھے۔ اور مرد مجاہد باغیوں کے بے رحم حلقے میں جا کر  
شہید ہو گیا۔ اور اس کا سر کاٹ لیا گیا۔

جب ہنگامہ ختم ہوا۔ تو سلطان نے کہا: خدا کی مرضی پوری  
ہوئی۔ لیکن اے خونخوار انسانو!۔ جو وقت اس سے مقرر کیا  
ہے۔ اس وقت تم سے بھی انتقام لیا جائے گا۔ تمہیں نہ خدا کا  
خوف ہے۔ نہ رسول کی شریعت کا احترام۔“

# اندلس کے مسلمانوں پر مظالم

اندلس میں پونے آٹھ سو سال حکومت کرنے کے بعد لڑزہ خیز  
مظالم وہاں کے مسلمانوں پر ہوئے۔  
یوں تو ابو عبد اللہ کے الحمر کے دروازوں سے رخصتی کے  
بعد ہی غرناطہ کے مسلمان مردوں اور عورتوں پر عیسائی پادریوں  
اور سپاہیوں کے مظالم شروع ہو گئے تھے۔ ان کی آبرو لٹنے لگی  
تھی۔ اعدایان پر جبر کے کلہاڑے چلنے لگے تھے۔ لیکن ان کی ابتدا  
کاسنگین دور وہ ہے۔ جب قشتالیا کی کلیسا کا ایک بڑا پادری  
غرناطہ کے اس منصب پر فائز ہوتے ہی مسلمانوں کے متعلق جو  
حکمت عملی وضع کی۔ اس کا نتیجہ دوسرے ہی دن ظاہر ہو گیا  
پادریوں اور سپاہیوں کی ٹولیوں کی ٹولیاں مسلمانوں کے محلوں

میں گھس گئیں۔ اور متقی اور عورت مند مسلمانوں کو ان کی ڈارھیوں  
 اور سر کے بالوں سے پکڑ پکڑ کر بڑے بازاروں میں لانے لگے۔ ان  
 میں جو بازاروں میں پہنچ کر عیسائی بننے پر تیار ہو جاتے وہ بچ جاتے  
 اور جو تامل اور تذبذب کا اظہار کرتے۔ ان کی پیٹھیں کوڑوں سے  
 سہلائی جاتی تھیں۔ جو اس سختی کے باوجود ثابت قدم رہتے۔ ان کو  
 زنجیروں میں جکڑ کر کھڑا کر دیا جاتا۔ اور لڑکوں بالوں اور نوجوانوں  
 کو حکم ملتا کہ پتھروں سے ان کی تواریخ کریں۔ اس تشدد کے  
 باوجود کچھ ایسے مستقل مزاج اور جبری مسلمان ابھی باقی تھے جو پتھروں  
 کی بارش میں بھی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی اور بزرگی کے  
 نعرے بلند کرتے۔ ان جبری مسلمانوں کو ایک اور سزا ملتی۔ ان کے  
 لئے بیچ بازار میں الاؤ جلائے جاتے اور ان بہادر جی واروں کو ان  
 میں پھینک کر ان کی بہادری و جرات کی واو دی جاتی۔ اس طریق  
 پر غرناطہ کے مسلمان فقہا اور علما اور ممتاز مسلمان برداشت نہ  
 کر سکے۔ ہر گلی اور کوچہ میں تکبیریں بلند ہونے لگیں۔ گلیوں کے موڑ  
 جمعوں سے بھر گئے۔ اس احتجاج کو جس طرح دبا گیا۔ غرناطہ کی  
 تاریخ کا وہ باب بھی بڑا ہی المناک ہے۔ فقہا کی ڈارھیوں کا ایک  
 ایک بال تو چا گیا۔ ان کے گھروں کی عورتوں کے لباس پارہ پارہ



کئے گئے۔ ان کی اوڑھنیاں شراب کے رنگ میں رنگی گئیں۔ اور  
عیسائی سپاہیوں نے ان جوان عورتوں کی کھلے بندوں بے حرمتی  
کی۔

یہ اسقفِ اعظم شمشین کے علم اور زواہداری کے عام مظاہر  
تھے۔ اسقفِ اعظم کی شرافت اور علم دوستی کا اصل حال تو اس دن  
کھلا۔ جب غزناطہ کے ہر مسلمان گھر کی تلاشی لی گئی۔ اور سپاہیوں  
نے غزناطہ کے مسلمان گھروں میں سے دس لاکھ قرآن پاک اور عربی  
زبان کی نادر کتابیں برآمد کیں۔ یہ کتابیں مسلمانوں کی آٹھ سو سال  
حکومت اور عملی اور فنی ترقیوں کا حاصل تھیں۔ یہ سائنس، طب،  
حکمت، فلسفہ، زراعت، تجارت، دواسازی کے شہ پارے  
مسلمان قوم کی سب سے گران قدر اور بیش قیمت پونجی تھی۔ یہ  
پونجی چوک میں ڈھیر کر دی گئی۔

اس چوک میں یہ دس لاکھ قرآن پاک کے نسخوں اور دس لاکھ  
کتابوں کے ڈھیر پرتیل چھڑکا گیا۔ پھر مقدس اسقفِ اعظم نے اپنے  
پاک ہاتھوں سے اس ڈھیر میں آگ لگائی۔ دیکھتے دیکھتے ہی شعلے آسمان  
سے باتیں کرنے لگے۔ اور عیسائی سپاہی جو چاروں طرف پھیلے اس  
آگ کا تماشا کر رہے تھے۔ خوشی سے دیوانے ہو گئے۔ ادھر

اگ پھلتی رہی۔ ادھر عیسائی مذہب کے یہ علمبردار خوشی و مسرت کا  
ناچ ناچتے رہے۔

غزناطہ کے مسلمانوں نے ہر ذلت سہلی تھی۔ ہر نقصان  
برداشت کر لیا تھا۔ مگر یہ تباہی ان کے دلوں کو کھا گئی۔ ادھر  
اگ پھیلی ادھر ان کے سینے میں شعلے بھڑکنے لگے۔ عورتیں بچے اور  
بڑے گھروں سے نکل آئے۔ ان کے پاس ہتھیار نہ تھے۔ محسن  
چھریاں، چاقو اور عام استعمال کے ڈنڈے تھے۔ ان ڈنڈوں سے  
مسلح ہو کر غزناطہ کے مسلمانوں نے اس ہندب قوم کے ساتھ  
غزناطہ کی بے مثال جنگ کی۔

مگر یہ لڑائی نہتوں کی ایک لاکھ مسلح سپاہیوں کے خلاف  
تھی۔ یہ لڑائی بہت جلد ٹھنڈی پڑ گئی۔ مسلمان مرد اور عورتیں  
زنجیروں میں جکڑ دیئے گئے۔ عورتوں کے لباس پر زے پر زے  
ہوئے۔ مردوں کی داڑھیاں بچیں۔ ان کے جسم عضو عضو  
کر کے کاٹے گئے۔

تہذیب و تمدن کلیر نظر ہر یا خون کی یہ ہولی گئی دن تک  
متواتر کھیلی گئی۔ پادریوں نے اس ہولی میں سب سے زیادہ خون

بہایا

عیسائی مورخین کے بیان کے مطابق اس دن کے بعد ستر ہزار مسلمانوں کو جبراً بپتسمہ دیا گیا۔ دس دس ہزار مسلمان ایک ایک وقت میں عیسائی بنائے گئے۔ اس تبدیلی مذہب کی حیثیت محض ایسی تھی جیسے کسی کم سن بچے کو زبردستی پہلا لباس اتار کر دوسرا لباس پہنایا جائے۔

غزناطہ کے مسلمان عیسائی تو ہو گئے۔ مگر ان کے دل مسلمان ہی رہے۔ وہ انجیل پڑھتے۔ وہ گرجوں میں جاتے۔ مسیحی رسوم ادا کرتے۔ مگر پھر بھی اندر سے مسلمان تھے وہ چھپ چھپ کر دروازے بند کر کے گھنے پردے ڈال کر قرآن کی آیات پڑھتے اور زار و زار روتے۔

اکثر ایسا ہوا کہ پادریوں کے جاسوسوں نے ان میں سے بعض کو نماز پڑھتے یا قرآن پاک کی تلاوت کرتے دیکھ لیا۔ انہیں اس جرم کی پاداش میں خوفناک سزائیں دی گئیں۔ انہیں چوک میں کھڑا کر کے بیدار رہنے گئے۔ ان کے منہ پر تھوکا گیا۔ انہیں سوڑے کھانے کو ملا۔ مگر سزاؤں کے باوجود اسلام اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ان کے دل سے نہیں نکلی۔ وہ مسیح کے صلیب پر چڑھائے جانے کے چھوٹے افسانے پڑھتے۔ تو ان کی زبانیں لڑکھڑا جاتیں۔ وہ صلیب کے سامنے

دو ترانو ہوتے وقت رکوع کے بل ہو جاتے۔ یہ بڑے جبر کی زندگی  
 تھی۔ یہ ایک عجیب امتحان تھا۔ جس میں یہ بد نصیب مسلمان مبتلا تھے  
 ان کی اس پریشانی اور ابتلائی رواد نے خوب شہرت پائی۔ غرناطہ  
 میں بسنے والے مسلمانوں کے دل زخمی ہو گئے۔ اور سارے مفتوحہ  
 علاقے خاص طور پر وائیش، رونڈار اور الفجارہ میں ایک خوفناک  
 ہیجان پیدا ہو گیا۔ مسلمانوں نے ہتھیار اٹھائے اور عیسائی فوجوں کے  
 مقابلہ میں صفیں باندھ لیں۔ ان کے مقابلہ کے لئے ایک لاکھ سپاہیوں  
 کی جرار فوج قرطبہ سے چلی۔ وہ جدھر سے گزری۔ بستیاں جلاتی  
 کھیت ویران کرتی گئی۔ اس نے ہر ہر مقام پر آگ کے الاؤ جلائے  
 اور ان میں بچوں اور عورتوں کو پھینک کر دیوانہ وار قہقہے لگائے  
 مسلمانوں نے نہایت پامروئی اور استقلال سے ان مصائب  
 کا مقابلہ کیا۔

# دو شہیدان ملت

سید احمد اور سید امین

اٹھارھویں صدی عیسوی میں جبکہ مسلمانان ہند گونا گوں  
مصائب میں گرفتار تھے سید احمد بریلی میں پیدا ہوئے۔ جوں جوں  
بڑے ہوئے، اور تعلیم حاصل کی۔ جذبہ ملی و روح اسلامی ان کے  
دل میں پیدا ہوئی۔ قرآن کریم اور دیگر مذہبی کتب پر عبور حاصل کیا  
جو ان ہوئے تو فوج میں بھرتی ہوئے۔ اس فوج کا سالار امیر خان  
پنڈاری تھا۔ سید احمد نے سات سال فوج کی ملازمت کی۔ تین ہزار  
فوجی سپاہیوں کو پکا مسلمان بنا دیا۔ اور وہ سب کے سب اس کے  
مزیدوں کے حلقے میں داخل ہو گئے۔

امیر خان کی ملازمت چھوڑ کر آپ ولی چلے گئے جہاں شاہ ولی اللہ



کے خاندان کے ایک نوجوان شاہ اسمعیل سے ملاقات ہو گئی۔ جو ایک بڑے عالم اور بہادر سپاہی تھے۔ وہ سید احمد کی تعریف پہلے سن چکے تھے۔ فوراً مرید ہو گئے۔ شاہ اسمعیل ابھی نوجوان تھے۔ مگر ان کے کلام میں بڑی تاثیر تھی۔ لوگ دور دور سے حصولِ رشد و ہدایت اور تحصیلِ علم کے لئے ان کے پاس آتے تھے۔

سید احمد اور شاہ اسمعیل کو پنجاب میں سکھوں کے مظالم اور مسلمانوں کی تباہی کی لرزہ خیز خبریں آتی تھیں۔ یہ ان علامات کو برواشت نہ کر سکے۔ اور سکھوں کے خلاف بھاؤ کا اعلان کر دیا۔ مسلمانوں کے پاس دس فیصدی مسجدیں تھیں۔ باقی پر سکھوں کا قبضہ تھا۔ وہ مساجد کی بے حرمتی کرتے۔ ان میں گدھے گھوڑے اور کتے باندھتے تھے۔ افان دینے کی اجازت نہ تھی۔ مسجدوں کا مرمت کرنا منع تھا۔ مسلمان قربانی نہ دے سکتے تھے۔ عموماً قرآن جلائے جلتے تھے۔ اگر کوئی قربانی دیتا۔ تو اس کو حکم تھا کہ بجائے اللہ اکبر کے نانک کا نام لے کر چھری چلائے۔ مسلمان کسانوں کے کھیتوں میں مویشی چرایا کرتے اور ان کی کھیتیاں برباد کر دیا کرتے تھے۔ مسلمان لڑکیوں کی عزت ہر وقت خطرے میں تھی۔ رنجیت سنگھ اور سکھ سرداروں کے گھروں میں سینکڑوں مسلمان عورتیں تھیں

پشاور کے علاقے میں سکھ فوجوں نے فتوحات حاصل کیں۔ تو مسلمان عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو آگ میں ڈال دیا۔ بیٹروں پر چڑھا کر توپوں کے آگے باندھ کر، غرض بہت بے دردی سے مارا اور ایسے ظلم ڈھائے۔ جن کے اظہار کا زبانِ قلم میں یارا نہیں۔

سید صاحب کے منہ سے جہاد کا اعلان ہونا تھا کہ ان کے ہزاروں مرید اٹھ کھڑے ہوئے۔ پٹنہ، دہلی، کلکتہ اور بریلی کے علاقوں کے بے شمار آدمی شامل ہو گئے۔

شاہ اسماعیل کو اس جانباز شکر کا سپہ سالار بنایا گیا۔ اور ۱۲۲۱ھ میں لیغار کرتا ہوا یہ لشکر پشاور پہنچا۔ نو شہرہ کے مقام پر پہلی لڑائی ہوئی۔ رنجیت سنگھ نے اپنے جرنیل بدھ سنگھ کے ساتھ دس ہزار سپاہی بھیجے۔ مسلمانوں نے زبردست حملہ کیا۔ گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ سکھ مقابل کی تاب نہ لاسکے۔ میدان چھوڑ کر بھاگ گئے! اور ڈھائی ہزار سکھ کھیت رہے۔ یہ خبر سن کر رنجیت سنگھ حیران رہ گیا اور بہت سی فوج بدھ سنگھ کی مدد کو بھیجی۔ اس کے ساتھ ہی پشاور کے علاقہ میں شیوہ سرداروں کو رشوت دے کر اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی۔ ان لوگوں کی غداری سے مسلمانوں کو مشکلیں پیش آئیں۔ مگر انہوں نے کوئی پروا نہ کی۔ اور جہاد میں مصروف رہے۔

کئی دفعہ ایسا ہوا۔ کہ انہیں لگتا کہ کئی کئی ہفتے جنگ کی بوٹیاں اور  
 درختوں کی چھال اُبال کر کھانی پڑی۔ اور بہاوری کے وہ کارنامے  
 دکھائے کہ تاریخ میں ان کی نظیر نہیں ملتی۔

ڈمگاہ کے مقام پر شاہ اسماعیل نے صرف ایک سو بہادروں  
 کے ساتھ سکھوں کی دو ہزار فوج گاجرمولی کی طرح کاٹ کر رکھ  
 دی۔ جب سکھ جرنیل مجاہدین کی فوجوں کا مقابلہ کرنے سے عاجز آ  
 گئے۔ تو رنجیت سنگھ نے ایک تجربہ کار فرانسیسی جرنیل و نظوراً  
 کو فوج دے کر بھیجا۔ اس نے وعدہ کیا کہ میں سید احمد اور شاہ اسماعیل  
 کو زندہ گرفتار کر کے لاؤں گا۔ گولہ بارود اور سامان جنگ کا کوئی  
 حساب نہ تھا۔ کئی ہزار فوج تھی۔ ادھر اسلامی فوج میں صرف تیرہ  
 سو نوجوان باقی رہ گئے تھے۔ کئی دن گھمسان کی جنگ ہوئی۔ فرانسیسی  
 تو پختانہ مجاہدین کے قبضہ میں آ گیا۔ اور جنرل و نظوراً اپنا کیمپ چھوڑ  
 کر لاہور کی طرف بھاگ گیا۔

اس فتح سے تمام سرحدیں مجاہد فوج کی دھاک دیکھ گئی۔ بسکھ  
 فوجیں یہ تمام علاقہ چھوڑ کر بھاگ گئیں۔ پنجاب میں سید احمد اور  
 شاہ اسماعیل کا نام سن کر لوگ کانپ اُٹھتے تھے۔ یہاں امن قائم  
 کرنے کے بعد سید احمد صاحب کا ارادہ تھا کہ لاہور پر حملہ کریں

رنجیت سنگھ مسلمانوں کی یہ کامیابی دیکھ کر آگ بگولہ ہو گیا۔ اس نے  
 بعض نڈار مسلمانوں کو وشوٹ دیکر سید صاحب کی حکومت کے خلاف  
 نفرت پھیلانی شروع کی۔ لوگ قانون شریعت کی سختی سے گھبراتے تھے  
 اس لئے وہ اس چال میں جلدی کامیاب ہو گیا اور لوگ باغی ہو گئے۔ سید  
 صاحب کی حکومت کے افسر جا بجا قتل ہونے لگے۔ مجاہدین جو حکومت کا انتظام  
 کرنے کے لئے دور دور بھج دیئے گئے تھے۔ سرحد کے مسلمانوں نے  
 چن چن کر مار ڈالے۔ محمود سید احمد اور شاہ اسماعیل کی جان کے لالے  
 پڑ گئے۔ صرف ایک سو مجاہدین ان کے ساتھ رہ گئے۔ رنجیت سنگھ نے  
 اس موقع کو غنیمت سمجھا اور حریل شیر سنگھ کو بیس ہزار فوج دیکر بھیجا جس  
 نے بالاکوٹ کے مقام پر دونوں غازیوں کو گھیر لیا۔ اس کی خواہش انہیں  
 زندہ گرفتار کرنے کی تھی۔ مگر وہ غیرت کے پتلے یہ وقت کب گوارا کر سکتے تھے۔  
 اپنی مٹھی بھر فوج کے ساتھ میدان جنگ میں بیڑی بہادری سے لڑے  
 اور سینکڑوں دشمنوں کو موت کے گھاٹ اتار کر مروں کی طرح شہید ہو  
 گئے۔ یہ دردناک واقعہ ذیقعد ۱۲۲۶ھ کو پیش آیا۔  
 ان کی شہادت ایک سبق ہے۔ ہماری موجودہ اور آئندہ نسلوں  
 کے لئے کہ انہیں اسلام کی حفاظت اور عظمت کی نگہداشت  
 کس طرح کرنی چاہئے۔

# موت پر فتح

جن دنوں حضرت مولانا شاہ اسماعیل اور حضرت مولانا سید احمد  
سرحد میں سکھوں کے ساتھ مصروفِ جہاد تھے۔ تو بعض بندگانِ خدا  
خفیہ طور پر روپیہ جمع کر کے بھیجتے تھے۔ انگریزوں نے ان کی ٹوٹگانے  
کے لئے خفیہ پولیس کے تجربہ کار آدمی مقرر کر رکھے تھے۔ مجاہدین کی  
ابدا کرنے والے ایک مولوی صاحب بھی۔ جو ضلع فیروز پور کے  
باشندے تھے۔ سی۔ آئی۔ ڈی ان کے چھپے لگی رہتی تھی۔ لیکن وہ  
نہایت ہوشیاری سے ان کے ہاتھ نہ آتے تھے۔ پولیس نے ہر چند  
کوشش کی مگر انہیں گرفتار کرنے میں ناکام رہی۔  
بد قسمتی سے ایک دفعہ وہ اپنے گھر میں اپنے اعزہ کو صرف چند  
گھنٹہ کے لئے ملنے آئے۔ رات کا وقت تھا۔ کسی جاسوس نے ضلع



کے افسرانِ اعلیٰ کو خبر کر دی۔ کہ آج مولوی صاحب گھر پر موجود  
 ہیں۔ اور ایک کثیر رقم سرحدی مجاہدین کو روانہ کرنے والے ہیں۔  
 اس وقت ان کی گرفتاری کا بہترین موقع ہے۔ قبل اس کے پولیس  
 کی مسلح گارڈ مولوی صاحب کے مکان کا محاصرہ کر کے ان کو گرفتار  
 کرتی۔ ایک ہندو سپاہی جو مولوی صاحب کا کسی زمانہ میں شاگرد  
 رہ چکا تھا۔ یہ سن کر فوراً ان کے مکان پر پہنچا۔ تاکہ انہیں خبر کر دے  
 کہ وہ بھگت تمام بے پوش ہو جائیں۔ رات کا وقت تھا اور مولوی  
 صاحب مکان کی سہ منزلہ چھت پر جمع اپنے اعزہ کے سوسے  
 ہوتے تھے۔ اس نے مولوی صاحب کو آوازیں دینی شروع  
 کیں۔ لیکن افسوس کہ مولوی صاحب اور ان کے اعزہ میں سے کوئی  
 بھی اس مسلسل پکار کو نہ سن سکا۔ وہ شخص بالوس ہو کر واپس چلا گیا۔  
 اس کے جانے کے بعد فوراً پولیس کا دستہ آ پہنچا۔ اور مکان کا محاصرہ  
 کر کے مولوی صاحب کو گرفتار کر لیا۔ اور لاہور بھیج دیا گیا۔  
 مقدمہ کی سماعت کے لئے ایک خاص جج مقرر کیا گیا اور  
 اس نے مولوی صاحب کو سزائے موت کا حکم دیا۔ فیصلہ میں یہ بھی  
 لکھ دیا۔ کہ ایک ہفتہ کے بعد ان کو تختہ دار پر لٹکا دیا جائے۔ یہ حکم  
 ہونے پر ڈاکٹر نے حسب معمول ان کا وزن کیا۔ لیکن جب آخری

روز تو لا۔ تو پہلے روز کی نسبت وزن میں سیرزائد نکلا۔ ڈاکٹر کو اس پر نہایت کجگت ہوا۔

جب مولوی صاحب کو کھڑی سے نکال کر پھانسی کے تختے پر کھڑا کر دیا گیا۔ اتنے میں فیصلہ کنندہ جج جھانگریز تھا۔ پھانسی کا حکم اپنے سامنے دینے کے لئے وہاں پہنچا۔

ڈاکٹر نے جج کو بتایا کہ مولوی صاحب کا وزن پہلے وزن سے بقدر ۲ سیر بڑھ چکا ہے۔ اس میں کسی قسم کا خوف و اضطراب نہیں پایا جاتا۔ جج یہ سن کر نہایت حیران ہوا۔

اوپر مولوی صاحب کی سننے۔ کہ وہ بار بار بلند آواز سے کہہ رہے تھے کہ "جلدی کرو۔ فرشتے میرے استقبال کے اعلیٰ تریں لباس لئے کھڑے ہیں۔ یاغاتِ جنت میرے سامنے نظر آرہے ہیں۔"

جج مولوی صاحب کے پاس آیا۔ اور دریافت کیا کہ مولوی صاحب کیا وجہ ہے کہ آپ کا وزن بڑھ گیا ہے۔ حالانکہ پھانسی پانے والے مجرموں کا وزن آدھے سے بھی کم رہ جاتا ہے۔

مولوی صاحب نے جواب دینے سے انکار کر دیا۔ جج پر اس واقعہ کا بڑا اثر ہوا۔ اس کے جسم پر کسکی

طاری ہو گئی۔ اور جیل کے کارکنوں کو حکم دیا کہ مسلمانوں کے اس لاکٹ  
 پاوری کو فوراً تختہ دار سے اتار لو۔ اور تا حکم ثانی اسے کوٹھری میں  
 بند رکھو۔

یہ حکم دے کر جج فوراً گورنر صاحب کے پاس پہنچا۔ اس کو  
 تمام صورتِ حالات سے مطلع کیا اور کہا کہ:-

”یہ شخص (مولوی صاحب) مسلمانوں کا لاکٹ پاوری

معلوم ہوتا ہے۔ پھانسی کے وقت بھی خوش و خرم ہے

اس کے چہرے پر ایک خالص قسم کی جاذبیت برس رہی

ہے۔ اور وہ اصرار سے بار بار کہتا ہے کہ کافر و مجھے

جلد بند جیات سے آزاد کرو۔ اور میں تمہاری ملعون

حکومت میں ایک لمحہ کے لئے بھی زندہ رہنے کے لئے

تیار نہیں۔ یوٹر آثر! مجھے ڈر ہے کہ اگر اس کو پھانسی

دی گئی تو کہیں اس کی موت انگریزی حکومت کے

لئے موت کا باعث نہ بن جائے۔ لہذا یوٹر آثر! اپنے

خاص حکم سے اس کی پھانسی کی سزا کو عبور دیا جائے شور

کی سزا میں تبدیل کر دیں۔ تاکہ ہماری حکومت کو مصیبت

کا سامنا نہ کرنا پڑے۔“

چنانچہ لاٹ صاحب نے اپنے مشیروں کے مشورہ سے کسی  
مصلحت کے پیش نظر مولوی صاحب کی پھانسی کے حکم کو عبور  
دیا۔ شور کی سزا میں تبدیل کر دیا۔

مولوی صاحب کو کالے پانی بھج دیا گیا۔ وہاں جا کر انہوں  
نے شادی کر لی۔ ان کے چار پانچ بچے پیدا ہوئے۔ اور جب اپنے  
وطن میں واپس آئے تو تنہا نہیں تھے۔ ان کی رفیقہ جیات اور بچے  
بھی ساتھ تھے۔ سب سے بڑھ کر بات یہ کہ دس ہزار روپیہ بھی  
ان کے پاس موجود اور وطن آنے کے بعد مزید تین چار سال تک  
زندہ رہے۔

# ٹینیو سلطان

سلطنت بیسور کا شیر دل حکمران حیدر علی جب ۱۷۸۲ء میں اس دنیا سے چل بسا۔ تو اس کے لائق بہادر فرزند ٹینیو سلطان نے تمام سلطنت ہاتھ میں لی۔ انگریزوں سے جو ہندوستان کو اپنی چالبازیوں سے رفتہ رفتہ غصیب کر رہے تھے اور ان کے حلیفوں سے بدلہ لینے پر آمادہ ہو گیا۔

ٹینیو سلطان بید نور کے مقام پر انگریزوں سے نبرد آزما ہوا۔ نہایت بے جگری سے جنگ کی۔ لیکن انگریزوں نے صلح کر لی۔ صلح ہو جانے پر بھی سلطان اور انگریز ایک دوسرے سے بدظن رہے۔ ٹینیو سلطان ٹرکی اور فرانس کی مدد حاصل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اور انگریز مرہٹوں اور نظام کو ساتھ ملا کر ٹینیو سلطان



کی سرکوبی کی فکر میں تھے۔ آخر انگریز اپنی چال میں کامیاب ہوئے۔ اور جنگ و جدل کے بعد اس کا بہت سا علاقہ فتح کر لیا۔ باہمی ایک عہد نامہ ہوا ٹیپو سلطان کو اپنا بہت سا علاقہ اور روپیہ دینا پڑا۔ کچھ حصہ مرہٹوں کو انعام میں ملا۔ اور کچھ حصہ ریاست میسور کا نظام نے غداری کے صلے میں حاصل کیا ٹیپو سلطان نے بحالت مجبوری یہ نقصان برداشت تو کر لیا۔ لیکن ایک غیر ملکی اقتدار، مرہٹوں کی بد عہدی اور نظام کی غداری اسے ایک آنکھ نہ بھاتی تھی۔ وہ ہر وقت انتقام لینے کے لئے بیقرار تھا اور ہندوستان کو غیر ملکی بیڑوں سے پاک صاف کرنے کا عہد کر چکا تھا۔ اس نے شہنشاہِ فرانس نپولین بونا پارٹ سے امداد طلب کی۔ وہ اپنا بحری بیڑہ لے کر آیا۔ مگر انگریز امیر البحر نے اسے راستے میں روک لیا۔ جب انگریزوں کو پتہ لگا۔ تو انہوں نے ٹیپو سلطان پر حملہ کر دیا۔ اور لڑائی شروع ہو گئی۔

سلطان کا ہندو دیوان انگریزوں کے ساتھ مل گیا۔ اور اس نے قلعہ انگریزوں کے حوالے کر دیا۔ سلطان موقع پر پہنچا۔ اور اس کے ہاتھ پاؤں کٹوا کر بازار میں پھینکوا دیا۔ مگر وہ نمک حرام اپنا کام کر چکا تھا تاہم لڑائی مختلف محاذوں پر جاری رہی۔

ایک دن سلطان ٹیپو سنترخوان پر بیٹھا ہی تھا۔ اطلاع ملی کہ

شہر پناہ کا ایک حصہ گرا دیا گیا ہے۔ سلطان نے ایک لقمہ اٹھایا۔ اور اللہ کا شکر ادا کیا۔ قرآن شریف گلے میں حائل کر کے قلعہ کے چور دروازے سے رخنہ دیکھنے لگا۔ رخنہ کے بند کرنے کے احکام دے کر لوٹا۔ تو دروازہ بند پایا۔ کھلوانا چاہا۔ مگر پاسبان نے نہ کھولا۔ سمجھ گیا کہ پاسبان بھی سازش میں شریک ہیں۔ فوراً پلٹا اور لڑنے والے سپاہیوں کی قطار میں کھڑا ہوا۔ اس وقت ایک نمک حرام رشتہ دار نے اطاعت قبول کر لینے کا مشورہ دیا۔ مگر سلطان نے نہایت حقارت سے منہ پھیر لیا۔ اور کہا کہ

”شیر کی ایک لمحہ کی زندگی کے ساتھ بھیر کی دوسو برس کی زندگی مقابلہ نہیں کر سکتی۔ شہادت کا وقت آ چکا ہے۔ اب اس مت جان بچانا مرد مومن کا کام نہیں۔“  
 سپاہی اس کے گرد جمع ہو گئے۔ وہ دیکھ کر ابدیدہ ہو گیا۔ اور باواز بند کہا۔

”جس کو جان پیاری ہے، وہ جاسکتا ہے۔ اس پر کوئی الزام نہیں۔ لیکن جسے شہید ہونے کی سعادت منظور ہے۔ وہ میرے ساتھ ہے اور دیکھے کہ اللہ کی راہ میں جان مرد کس طرح جان دیتے ہیں۔“

جانناز سپاہی سب گرو جمع ہو گئے۔ اتنے میں فوج قلعہ میں  
 داخل ہو گئی اور لوٹ مار کرنے لگی، بہادر سا تھی قتل ہو گئے تھے۔ اور  
 سلطان سخت زخمی ہو کر گر پڑا تھا۔ ابھی اس میں کچھ جان تھی کہ ایک  
 گوراپاس سے گذرا۔ اس نے اس کے زریں پٹکے کی طرف ہاتھ بڑھایا  
 سلطان نے نیم جانی کی حالت میں تلوار کا ایک ایسا ہاتھ مارا کہ وہ  
 کینحت وہیں ڈھیر ہو گیا۔ تلوار کے اس آخری وار کے ساتھ  
 ٹیپو سلطان کی آواز بومیدان جنگ میں گونجی وہ یہ تھی۔  
 اُو گئے! از زخمی شیر پر منہ مارتا ہے۔“

انگریز اپنی فتح یابی پر بھولے نہیں سماتے تھے۔ اور غدار  
 نمک حرام انعام و اکرام کی ہوس میں آپے سے باہر ہو رہے تھے۔  
 دوسرے دن انگریزوں نے سلطان شہید کی لاش تلاش کی۔  
 لاش کو قلعہ میں پہنچایا۔ غسل دیا۔ جنازہ سخن میں رکھوا دیا۔ اور  
 حیدر علی کے مقبرہ میں اسے سپرد خاک کیا۔

# سلطان بیوپاری و صیت

تورہ نور و شوق ہے؛ منزل نہ کر قبول  
لیلی بھی ہم نشین ہو تو محفل نہ کر قبول

اے جوئے آبِ سِل سے بڑھ کے تند و تیز  
سائل تجھے عطا ہو تو سائل نہ کر قبول

کھویا نہ جا صنم کدہ کائنات میں  
محفل گدازا گرنی محفل نہ کر قبول

صبح ازل پہ مجھ سے کہا جبرائیل نے  
جو عقل کا غلام ہو وہ دل نہ کر قبول

باطل و ذوق پسند ہے حق لا شریک ہے  
شرکت میمانہ حق و باطل نہ کر قبول

(راقبال)

# سلطنت اسلامی کا آخری تاجدار

بہادر شاہ ظفر

بادشاہ کی جان عجیب کشمکش میں ہے۔ باغیوں کا مطالبہ۔ کہ وہ ان کی سرپرستی فرمائیں۔ انگریزوں کی خواہش کہ ان کی اطاعت قبول کریں۔ جانِ مجنوں کے لئے دو گونہ عذاب۔ "۔ دونوں کو خوش تو کر نہیں سکتے۔ آزادی کا خیال اور ضمیر کی آواز یہی ہے۔ انگریزوں کا حاتمہ کیا جانے مگر طاقت نہیں۔ اقتدار نہیں۔ کوئی بس نہیں چلتا۔ باغیوں کے سرکار بخت خاں نے بہت سے پیغامات بھیجے ہیں کہ آپ کوئی فکر نہ کریں۔ ہم آپ کا بال بیکا نہیں ہونے دیں گے۔ لیکن انگریزوں کا پلہ ہماری ہے اور بادشاہ کے مصاحب خاص جاسوس بنے ہوئے ہیں۔ پل پل کی خیر انگریزوں کو پہنچاتے ہیں۔



بادشاہ بیگم زینت محل اور فرزند ولیند مرزا جواں بخت یاس  
 بیٹھے ہیں۔ ان کے چہرے زرد۔ آنکھیں غمناک اور لبوں پر سرفراہی  
 زینت محل۔ باغی راستی پر ہیں۔ اپنے ملک کے بچاؤ کے لئے  
 جدوجہد کر رہے ہیں۔

جواں بخت۔ انگریز خواہ مخواہ آکر ہمارے سر چڑھ گئے۔  
 ان کا حق ہی کیا ہے جو اس طرح ہمارے ملک و مال پر قبضہ کریں۔  
 بہادر شاہ۔ اب حق کو کون پوچھتا ہے۔ اور کسی کی دادرسی  
 کون کرتا ہے۔ ہماری کمزوریوں نے یہ دن دکھائے۔ ورنہ ہزاروں  
 میل سے آکر صدیوں کے مالکوں کو بے دست و پا کر دینا۔ کس کی  
 جرأت ہو سکتی ہے۔ آہ اب

نواب تھا جو زندگی جاہ و شہم میں کٹ گئی  
 ورنہ ساری عمر اپنی درد و غم میں کٹ گئی  
 یہ بادشاہی میرے لئے وبال جان ہو گئی۔ ایک مصیبت ٹٹلنے نہیں  
 پاتی۔ کہ دوسری آمو جو ہوتی ہے۔ باغی قلعہ میں داخل ہو گئے ہیں۔  
 باہر انگریزوں کی فوجیں ہیں۔

جواں بخت۔ بخت خاں نے جو کہلا بھیجا ہے۔ کہ ہم انگریزوں  
 سے نپٹ لیں گے۔ آپ مقبرہ ہمایوں میں چلے جائیں۔

بہادر شاہ - مصلحت تو یہی ہے کہ وہاں جا کر اپنی انادہی  
کی سبیل پیدا کریں۔

بہادر شاہ - اس کی بیگمات اور لڑکے راتوں رات مقبرہ ہمایوں  
میں چلے گئے۔ ادھر احسن اللہ خاں - رجب علی خاں اور الہی بخش  
نمک حرامی پر تلے ہوئے اور سائے کی طرح بادشاہ کے پیچھے لگے  
رہتے ہیں۔ ان میں سے کوئی نہ کوئی موجود رہتا ہے۔ بلکہ بادشاہ کے  
ہر کام میں خواہ مخواہ شریک ہو جاتے ہیں۔ اتنے میں الہی بخش آتا  
ہے اور بادشاہ کو تسلی دیتا ہے کہ کوئی فکر نہ کریں۔ ہم بدستور آپ کے  
ساتھ ہیں۔ انگریز آپ کا کچھ بگاڑ نہیں سکتے۔ آپ بدستور آرام سے  
حکومت کریں۔ قلعہ پر آپ کا ہی قبضہ ہے۔

بہادر شاہ :- اچھا! تو انگریز چلے جائیں گے۔ ہماری فوجیں  
انہیں بھگا دیں گی۔ اگر یہ صورت ہو۔ تو میں خود تلوار لے کر میدان  
میں نکلنے کے لئے تیار ہوں۔ آہ! انگریز! انگریز! — بڑے  
چالاک۔ عیار اور ظالم ہیں (حساس باختہ ہو کر) نکال دو ان کو۔  
میں تمہارے ساتھ ہوں۔ بخت خاں پھر نہیں آیا۔ وہ بھی میرے  
فکر میں ہوگا۔

الہی بخش۔ کیوں نہیں؟ اس نے تمام شہر میں قتل عام کر رکھا  
 ہے۔ کوئی انگریز اس کے ہاتھوں زندہ نہیں بچتا۔ قلعہ میں چند پناہ گیر  
 آئے تھے۔ وہ بھی موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ عورتیں اور  
 بچے بھی۔

بہادر شاہ :- یہ اچھا نہیں کیا۔  
 الہی بخش :- انگریزوں نے بھی تو کوئی کسرا سٹھا نہیں رکھی۔  
 بہادر شاہ :- چھا! تم یہیں رہو۔  
 بہادر شاہ (انسو بہا کر) قلعہ سے نکلے۔ یہاں آئے۔ اب  
 کہاں جائیں گے۔

چھوٹا بھی قفس سے تو کہاں طاقت پر از  
 مجھ کو ہے بڑا اپنی رہائی کا غم و رنج  
 ہر دم ظفر اک تیغ الم۔ کھینچ کے دل پر  
 کیا ہاتھ لگاتے ہیں صفائی کا غم و رنج  
 میں ملک کا مالک! خانہ بدوش بے سرو سامان۔ بے یار و مددگار۔ اور  
 اجنبی ڈاکو۔ پورے یہاں کے مالک۔ یہاں کی حقیقی رعایا باغی۔  
 اور میں ان کا سرپرست! — یا الہی — یہ بھی انقلاب  
 دیکھنا تھا۔ میرے دادا ہمایوں نے انقلاب دیکھا۔ مگر پیراس کا

ستارہ چمکد تار کی دود ہوئی۔ اور اس کی حکومت بحال ہو گئی۔  
لیکن اب مشکل ہے۔ کوئی خیر خواہ نہیں۔ دشمنوں کے زرنے میں  
ہوں۔ نہ فوج ہے نہ سپاہ۔

ابھی منہ اندھیرا تھا۔ آسمان کے ستارے ظفر کی اضطراب انگیز  
حالت دیکھ دیکھ کر تڑپ رہے تھے۔ چاند مارے غم کے آؤٹھاڑ  
گیا۔ نسیم سحر کے تیز جھونکے اس عظمت و جلال کی شمع سوزاں کو  
پتو کے دے رہے تھے۔ مقبرہ ہمایوں میں بالکل سکوت اور خاموشی  
کا عالم تھا۔

اپانک مسٹر ہیوڈسن (حاکم دہلی) ایک فوجی دستے کے ساتھ  
تمودار ہوا۔ اور سپاہیوں کو حکم دیا۔ مقبرہ کا محاصرہ کر لو۔ کہیں بادشاہ  
فرار نہ ہو جائے۔

فوجی افسر۔ "بہت اچھا" سپاہی مقبرے کے چاروں طرف  
پھیل گئے۔

ہیوڈسن :- کوئی سپاہی اندر جائے۔ اور بادشاہ کو باہر لے  
کا پیغام پہنچائے۔

الہی بخش اندر سے آیا۔ اور سلام کر کے کہا۔ کیا ارشاد ہے؟

فوجی افسر۔ بادشاہ اندر ہے۔

الہی بخش۔ جناب۔ میں تو اسی واسطے رات یہاں رہا۔  
ہیوڈسن :- بادشاہ کو ہماری طرف سے پیغام پہنچاؤ کہ فوراً

باہر آؤ۔

الہی بخش نے پیغام دیا۔ اس فرعونی حکم سے سب مظلوموں  
کے دل پر بجلی گر گئی۔ بادشاہ الگ رو رہا ہے۔ بیگمات علیحدہ فریاد و غنا  
کر رہی ہیں۔ اور بیٹے جڈا اپنی سبب بختی پر اشکِ حیرت بہا رہے ہیں۔

الہی بخش نے واپس آکر کہا۔ حضور تیاری ہو رہی ہے۔

ہیوڈسن :- ہم زیادہ انتظار نہیں کر سکتے۔ جاؤ۔ انہیں کہو۔ ویر

نہ کرو۔ فوراً باہر آؤ۔

فوجی افسر۔ سنا ہے۔ بخت خاں بھی ان کے ساتھ ہے۔

بادشاہ کو بھگالے جانے کی سازش میں شریک ہے۔

ہیوڈسن :- اگر ہو۔ تو اسے بھی گرفتار کرو۔ بہت

دیر ہو گئی۔ کیا بھاگنے کے منصوبے سوچے جا رہے ہیں۔

فوجی افسر۔ (دیکھ کر) نہیں! وہ آرہے ہیں۔

رہا اور شاہ موزینت محل۔ جواں بخت وغیرہ کے آیا

رہا اور شاہ :- کیا آپ گرفتار کرنے کی غرض سے ہیں؟



ہیوڈسن - ہاں! اسی لئے۔  
 بہادر شاہ - میرا قصور؟  
 ہیوڈسن - سازش کا فتورہ؟  
 بہادر شاہ - مجھ پر الزام؟  
 ہیوڈسن - انگریزوں کا قتل عام  
 بہادر شاہ - میں بے گناہ ہوں۔ سازش میں کوئی حصہ نہیں  
 لیا۔ اور نہ انگریزوں کے قتل میں کوئی مشورہ دیا۔  
 ہیوڈسن - یہ تحقیقات پر معلوم ہو جائے گا۔  
 ہتھیار رکھ دیجئے۔

بہادر شاہ (دم سرد بھر کر)  
 بروزرِ حشر و کھاوے گا یہ دلِ مضطر  
 خدا کے سامنے تیرے اسیر کا محقر  
 یہ کہہ کر ہتھیار دے دیئے۔ اور ہیوڈسن نے حراست میں لے لیا۔

بادشاہ - زینت محل بیگم اور جواں بخت کے چلے جانے کے  
 بعد مخبر نے خیر و بی - کہ مرزا منگل قیصر سلطان اور مرزا ابوبکر  
 میں چھپے ہوئے ہیں۔ مقبرے پر پھر بہرہ لگا دیا گیا۔ اور بہادر شاہ

کو ایک مقام پر نظر بند کر کے ہیوڈسن معہ فوج کے واپس آیا۔ بہادر شاہ  
 کے دو بیٹوں اور ایک پوتے کو گرفتار کیا۔ اور ایک بہیلی میں بٹھا کر  
 حراست میں لے چلا مصیبت زدہ شہزادے ظالموں کے جلوں  
 میں جا رہے تھے۔ ان کو موت سامنے نظر آرہی تھی۔ مگر وہ خاموش  
 آنے والی مصیبت کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار تھے۔ ملک و مال  
 سے محرومی۔ والدین کی جدائی کا درد۔ بحرمانہ اسیری کا رنج۔ ان سب  
 عدمات نے ان کے دل پتھر کر دیئے تھے۔ آنکھیں بے نم اور لب  
 خشک اور نہایت یأس و حسرت سے ایک دوسرے کو دیکھ رہے  
 تھے۔

جب میل ڈیڑھ کے فاصلے پر ایک میدان میں بے گناہ مجرموں  
 کی سواری پہنچی تو ٹھہرنے کا حکم ہوا۔  
 ہیوڈسن نے کہا۔ ان کو نیچے اتارو اور کپڑے اترو اور۔  
 معصوم شہزادے سر اسیمہ و حیران نیچے اتارے۔  
 ان کے کپڑے اترو دیئے گئے۔ سامنے بندوقین تہی  
 ہیں۔ خاموش ہیں اور شان خداوندی کا تماشہ دیکھ رہے ہیں۔  
 اور گرد کے درخت دشمنوں کی قہر آلود نظروں کو دیکھ کر  
 کانپ رہے ہیں۔ آندھیاں آئیں اور چلی گئیں۔ بگولے اُٹھے اور

ہوا ہو گئے۔ آفتاب نے سیاہ بادلوں میں اپنا منہ چھپا لیا۔  
 شہزادے بت بنے کھڑے ہیں۔ کہ بندوقوں کی ایک ہی  
 بارٹ سے۔ اس خشک میدان میں — ناز پروردہ شہزادوں کی  
 لاشیں بے آب پھلیوں کی طرح تڑپیں اور ٹھنڈی ہو گئیں۔  
 ابھی ظالموں کے دل میں انتقام کی آگ موجود تھی۔ اس پر  
 بس نہیں کی۔ شہیدانِ جفا کی لاشوں کو کوتوالی کے دروازے میں  
 لٹکادیا برابر تین چار دن لٹکی رہیں۔ کیوں؟  
 اس خطا پر انہیں مارا کہ گنہگار نہ تھے

ہندوستان کا بادشاہ — مارچ ۱۸۵۸ء کو —  
 مہذب ڈاکوؤں اور سیاسی چوروں کی ایک عدالت (کمیشن)  
 کے روبرو لایا گیا۔ ورو دیوار لرز گئے جس کے دل میں انسانیت  
 کا ایک شمع بھی تھا۔ دیکھ کر بہتا ہو گیا۔ ایک خود ساختہ ایکٹ (۱۸۵۸ء)  
 کے رو سے چار الزام قائم کئے گئے۔  
 حکیم احسن اللہ۔ مرزا الہی بخش۔ منشی رحیب علی گواہ پیش ہوئے۔  
 استادانِ اجل نے جو پڑھایا تھا۔ کہہ دیا۔  
 بادشاہ مجرم قرار پایا۔ سزا کیا؟ جلا وطنی اور رنگون میں نظر بند

## حضرت ناک روانگی

روانگی کا وقت آیا اگرچہ یہ خبر نہایت پوشیدہ رکھی گئی تھی۔ مگر  
ارادتمند پھر بھی جوق در جوق جمع ہو گئے۔ کہ اپنے بادشاہ کی آخری زیارت  
کریں۔

بادشاہ، اپنی دو بیویوں زینت محل و تاج محل اور دو بیٹیوں  
جواں بخت و عباس شاہ کے ساتھ ڈولی میں سوار ہے۔ گوروں کا  
پہرہ۔ بادشاہ ڈولی کے پردے اٹھا دیتا ہے۔ ہاتھ آسمان کی طرف  
پس ستم دیدہ آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب جاری ہے۔ خاموش  
صدائیں الوداع کہتی ہیں۔ اور آہ و بکا کے شور میں سواری گزر جاتی  
ہے نہ

جب چراغ گل چمن میں یک بیگ گل ہو گیا  
چشم بلبیل میں جہاں تار یک بالکل ہو گیا  
ہو گیا پھیکا ترے جانے سے رنگ روئے گل  
لے نمک تالوں سے میرے شور بلبیل ہو گیا (ظفر)

ایک معمولی خستہ و خراب کمرے میں بادشاہ بستر مرگ پر پڑا ہے  
زینت محل اور دونوں بیٹے پاس بیٹھے آنسو بہا رہے ہیں۔

زینت محل۔ ہمارے اقبال کا دن تو دیر سے ڈھل چکا تھا۔ مگر اب  
 امیدوں کا آفتاب ہمیشہ کے لئے غروب ہونے والا ہے جس کا مشرق  
 شاہ جہاں آباد کا قلعہ معلیٰ تھا۔ اس کا مغرب رنگوں کی تیرہ و تار یک کو ٹھہری  
 ہے جس کا طلوع خوشی کے شادیانوں کے ساتھ ہوا تھا وہ درد و المہ کی  
 دل شکن آہوں کے شور میں غروب ہو رہا ہے۔ آہ سے

آگئی سر پر شبِ حسرت کی شام میری آنکھوں میں جہاں تار یک سے  
 بہا اور شاہ (ایک آہ سرد بھری کر) روزِ روشن ختم ہو چکا۔ آج لارفتہ  
 رفتہ و وہ ہو رہا ہے میری آنکھیں بے نور ہو رہی ہیں۔ اب رخصت کا وقت  
 آگیا۔ دنیا کی حسرتوں میرے دل سے نکل جاؤ۔ بیتاب رکھنے والے ارمانو  
 جاؤ جاؤ مجھے نہ ستاؤ میں مظلوم ہوں بے گناہ ہوں۔ میں نے آبا و اجداد  
 کی سلطنت کو بچانے کی کوشش کی مظلوم رعایا کو غیروں کے ظلم و تشدد  
 سے بچانا چاہا۔ میرے اشارہ پر کسی بے گناہ کو ضرر نہیں پہنچا۔ مگر —  
 اب ان باتوں کو یاد کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہے

ہمارا اور عالم ہم کو اس عالم سے کیا مطلب  
 کسی سے کیا غرض ہم کو کسی کو ہم سے کیا مطلب  
 میرے زخموں میں کچھ نیک اور مرچیں کوٹ کر بھر دو  
 کہ یہ ہیں زخمِ عاشق کے ایسے مرہم سے کیا مطلب



جو یہ سمجھے کہ بتایا ہے وہی جو ہے مقدر میں  
 رہا اُن کو ظفر پھیر کر پیش و کم سے کیا مطلب  
 اٹھوا اٹھوا! شمع جلاؤ۔ کہ میری عمر کا چراغ گل ہو رہا ہے۔ جاگو جاگو  
 کہ بد نصیب ظفر موت کی گہری میند میں سو رہا ہے۔ — آہ! اگر وہ  
 تقدیر نے کہاں لاکر پھینکا کہ وہلی کی خاک پاک میں دو گز جگہ بھی نہ پائی  
 آہ! بزرگوں کے پہلو میں سونے کی سعادت بھی نصیب نہ  
 ہوئی۔ قیدِ حیات میں وہ صدے اٹھائے۔ کہ اُن کی یاد سے رُوح  
 کانپ رہی ہے۔

خدا جانے ظفر ملکِ عدم کے رہنے والوں کی  
 فراخی سے گزرتی ہے کہ تنگی سے گزرتی ہے

نہیں نہیں — عدم کی — زندگی — یہاں  
 کی — زندگی — سے — بہر حال — خوش — گوار  
 ہوگی — فنا کی — تار — کی — میں — امن  
 — و — سکو — ن — کی — شم — ع  
 رو — شن — ہوگی — خدا — حافظ — الوداع  
 (روح پرواز کر جاتی ہے)

## مصر کا پہلا عوامی لیڈر

مصر انگریزوں کے پنجیرہ حصے و آڑ میں دم توڑ رہا تھا نیل کی زرخیز  
زمین پر ان سفید ڈاکوؤں کا قبضہ تھا۔ اگرچہ بظاہر مصر لوہوں کی حکومت  
تھی۔ خدیو اس کا بادشاہ ہوتا تھا مگر اپنے دجل و فریب اور مصر کے کمزور  
اور خود غرض وزراء کی وساطت سے کچھ ایسے معاہدے کئے۔ جن  
کی وجہ سے غلامی کی زنجیریں روز بروز مضبوط ہو رہی تھیں۔ اگر  
کوئی کڑی کمزور ہو جاتی۔ تو اس کی جگہ اس سے مضبوط تر ڈال دی  
جاتی۔ یہ صورت مخلص اور حقیقت شناس فرزند ان ملک کے لئے  
نہایت اذیت رساں تھی۔

آخر قدرت نے ایک نوجوان (جس کی پیدائش ۱۸۷۸ء تھی)  
مصطفیٰ کامل کے دل میں آزادی کا زبردست احساس پیدا کیا۔

اُس نے علم حاصل کیا۔ قانون میں مہارت حاصل کی۔ پیرس میں تعلیم پائی اور سیاسیات کا وسیع مطالعہ کیا۔

وہ نہایت ہوشیار اور دقیقہ رس تھا۔ اس نے تحریر و تقریر اور میل جول کے ذریعے آزادی کی مہم شروع کر دی۔ اور اکثر علم دوست اور محبت وطن نوجوان اس کے ساتھ شامل ہو گئے۔ اس کی مساعی کی خاموش آگ انگریزی اقتدار کے دھوئیں بکھیر رہی تھی۔

۱۸۹۳ء میں جبکہ مصطفیٰ کامل کی عمر صرف ۱۹ برس کی تھی۔

پہلی مرتبہ مصری حکومت کی کوتاہیوں اور بد عملیوں پر کڑی تنقید کرتے ہوئے انگریزوں سے مصر خالی کرنے کا مطالبہ کیا۔ یہ مطالبہ انگریزی سیاست کے لئے برقی زخم سوز تصور کیا گیا۔ انگلستان کے سیاسی حلقے متزلزل ہو گئے۔

۱۸۹۴ء میں فرانس جا کر سیاست دانوں اور صحافیوں سے

ملاقات کی۔ وہاں چندے قیام کیا۔ اور مصری آزادی کی تبلیغ میں شب و روز مصروف رہا۔ پیرس یونیورسٹی میں مقیم مصری طلباء کے ایک اجتماع میں مصطفیٰ کامل نے دل کھول کر آزادی مصر کے بارے میں اپنے جذبات کا اظہار کیا۔ اور پھر ایک مرتبہ اس مطالبہ کو دہرایا۔ کہ انگریز مصر کو خالی کر دیں۔

اہل فرانس کو مصری مطالبہ سے کوئی ہمدردی نہیں تھی۔ وہ محض اپنی  
انگریزی کی وجہ سے مصطفیٰ کامل کی طرفداری کر رہے تھے۔

مصطفیٰ کامل کو سفر فرانس میں یہ فائدہ ضرور ہوا۔ کہ مہذب دنیا  
کے سیاستین کی توجہ اس طرف مبذول ہو گئی۔ اور آزادی مصر کا مسئلہ  
بین الاقوامی صورت اختیار کرنے لگا۔ احرار مصر کی آواز فرانس اخبارات  
کے ذریعے یورپ اور امریکہ کے کانوں تک پہنچ گئی۔ انگلستان کے مدبروں  
کو بھی ہوش آیا۔ اور گلد سٹون (وزیر اعظم) جیسے لوگ بھی مصر کے  
مطالبہ آزادی اور اخراج انگریزوں کو درست سمجھنے لگے۔ اور انہیں اس  
کی صداقت کا اعلان یہ اقرار کرنا پڑا۔

مصطفیٰ کامل نے اپنا کاروبار پیشہ وکالت) بالکل چھوڑ دیا۔  
محبت وطن اور آزادی قوم کے جذبہ بے اختیار نے اپنے آرام و راحت  
مغادرہ و اغراض سے بالکل بے نیاز کر دیا۔ اپنی آواز کو مضبوط کرنے  
اور مطالبہ آزادی کو تقویت دینے کی غرض سے اپنا اخبار اگلا جاری  
کر دیا۔ جو عربی۔ فرانسیسی اور انگریزی میں شائع ہوتا تھا۔

یوں ہوں مصطفیٰ کامل کی تحریک زور پکڑتی گئی۔ انگریزی طاقت  
بھی مضبوط ہونے لگی۔ لارڈ کرومر جو انگریزوں کا محنت و کار مصر میں  
مستقر تھا۔ مصریوں میں اتفاق پیدا کرنے اور انگریزوں کے قبضہ مصر

کو جانز قرار دینے پرتل گیا۔ لیکن اس کی مخالفت مصطفیٰ کامل کو متزلزل نہ کر سکی۔

مصطفیٰ کامل مصری آزادی کا واحد علمبردار تھا۔ اس کی بھرپور کائی ہوئی آگ انگریزوں کے دلوں کو جلا رہی تھی اس کے شعلے انگریزی منصوبوں کے لئے برق خرمین سوز بن رہے تھے۔

مصطفیٰ کامل مغربی لباس کے ساتھ ترکی ٹوپی پہنتا تھا اور میاں قد مضبوط جسم، گندمی رنگ۔ لمبی لمبی مونچھیں۔ بڑا دلیر اور نڈر انسان تھا۔ خود اعتمادی کے ساتھ دیانتداری بدرجہ عایت پائی جاتی تھی۔ بڑا تیز مزاج آدمی۔ ہر وقت سیماب کی طرح مضطرب و متحرک قوت بیان کے علاوہ حافظہ بھی بے نظیر پایا تھا۔ بڑا پاکباز اور نیک نیت انسان تھا۔ اس کا مسلح نظر ہمیشہ بلند رہا۔ آزادی وطن کے مقابلے میں تمام دنیا اس کے لئے بیچ تھی۔ آزادی کے انہماک نے اتنی فرصت بھی نہ دی۔ کہ وہ کوئی دنیویہ حیات تلاش کر سکے۔ عمر بھر تنہا رہا۔

مصطفیٰ کامل تقریر کرتا۔ تو ایسے معلوم ہوتا کہ بجلی کرک رہی ہے یا سیلاب کا پانی زور شور کے ساتھ بندی سے لپٹی کی طرف جا رہا ہے وہ حاضرین پر اس طرح چھا جاتا کہ لکچر ہال ہزاروں آدمیوں کا ایک مربع بن جاتا۔ اس کی زبان تلوار کی طرح چلتی اور لوگوں کے دلوں کو مسخر





”اپنی فوجیں مصر سے نکالو۔ اور سوڈان ہمیں دو۔“  
 افسوس! یہ شیر دل بہادر مخلص جانا باز مصر۔ اور شمع آزادی  
 کا پروانہ صرف ۳۲ برس کی عمر میں ۱۰ فروری ۱۹۰۸ء کو آزاد دنیا کی  
 طرف روانہ ہو گیا۔

اگرچہ وہ کچھ عرصہ علیل رہا۔ مگر اس وقت عام خیال تھا کہ  
 مصطفیٰ کامل کی موت طبعی موت نہ تھی۔ بلکہ اس میں بھی دشمنوں کی  
 سفیرانہ سازش تھی۔

موت کی خبر آن واحد میں اطراف و جوانب میں پھیل گئی  
 بس پھر کیا تھا۔ ملک بھر میں صفا ماتم چھ گئی ہر شخص منہم اور  
 باویدہ پیر آب نظر آتا تھا۔ ہزاروں انسان اظہارِ سوچ و غم کے  
 لئے آگئے۔ جنازہ کا جلوس ایک میل لمبا تھا۔ قبرستان سے گھر  
 تک لوگوں کا ہجوم تھا۔ مصر میں اس سے پہلے ایسا ماتمی جلوس نہیں  
 دیکھا گیا تھا۔

وہ نہایت شریف مخلص۔ نیک دل اور بے لوث تھا۔ جب  
 اس مردِ حق نے آخرت کے لئے رخصتِ سفر باندھا۔ تو گھر میں اپنی  
 رقم بھی نہ تھی کہ کفن خریدنا جاسکے۔ یہی خدمتِ وطن اور حقیقی  
 اتنا۔ ج ”حقِ معفرت کرے عجب آزاد مرد تھا“

# شیخ جمال الدین افغانی

شیخ جمال الدین ایک عالم اجل پیکرِ حریت اور العزم انسان  
تھے۔ وہ مطلق العنانی طرزِ حکومت۔ شاہانہ جلال، اور امیرانہ نمود  
نمائش کے تحت مخالف تھے۔ ۱۸۳۹ء میں افغانستان کے مشہور  
شہر کونان میں پیدا ہوئے۔ علم حاصل کیا جب جوان ہوئے۔  
افغانستان کی خانہ جنگی سے تنگ آکر ہندوستان کے راستے مصر کو  
چلے گئے۔ وہاں انگریزی غلبہ کے خلاف اپنے خیالات کا اظہار کیا  
اور لوگوں میں انگریزوں کی گندم نمائی جو فروشی کے حالات طشت از  
بام کر دیئے۔ انگریزوں کے اس غلبہ و اثر کو دیکھ کر وہ قسطنطنیہ  
چلے گئے۔

قسطنطنیہ میں انہوں نے اپنے خیالات کی اشاعت شروع

کی۔ وہ زبردست عالم تھے۔ کوئی ان کے سامنے بات کرنے کی  
 خیرات نہیں کرتا تھا۔ شیخ الاسلام ان کے خلاف تھے۔ ملا لوگان  
 سے جی چراتے تھے۔ آخر انہوں نے فتویٰ لگا کر انہیں قسطنطنیہ سے  
 نکلنے پر مجبور کر دیا۔

قسطنطنیہ سے آپ پھر مصر آئے۔ جہاں انہوں نے پھر انگریزی  
 اثر و غلبہ کی مخالفت شروع۔ عوام کو اپنا ہم خیال بنایا۔ اور بتایا کہ  
 انگریز کس طرح مددگار بن کر سامنے آتا ہے اور آخر کار آقا بن کر  
 سر پر سوار ہو جاتا ہے۔

شیخ جمال الدین نے انگریزی اثر کے خلاف ایک انجمن قائم  
 کی۔ شیخ محمد عبدالعزیز اور سعدزا غلول باشا جیسے لوگ جس کے سر بنے  
 اور انگریزی کارستانیوں کو بذریعہ تحریر و تقریر خوب واضح کیا۔ جو ان  
 کی کثیر تعداد ان کے ساتھ ہو گئی۔ مگر خدیو توفیق نے انگریزوں کے  
 کہنے سننے سے شیخ کو جلا وطنی کا حکم دے دیا۔

مصر میں شیخ نے جو آگ بھڑکانی تھی۔ وہ رفتہ رفتہ اس قدر بڑھی  
 کہ اس کے شعلے انگریزی سیاست کو تباہ کرنے لگے۔ شیخ مصر سے  
 حیدرآباد دکن پہنچے۔ انگریزوں نے شیخ کو حیدرآباد سے لا کر کلکتہ  
 میں نظر بند کر دیا۔

کلکتہ میں کچھ دیر نظر بند رہنے کے بعد رہا کئے گئے۔ تو وہاں سے  
 پیرس پہنچے۔ وہاں سے ایک اخبار جاری کیا۔ جس میں مصری سیاسیات  
 پر زبردست تبصرے ہوتے تھے۔ کچھ عرصہ کے بعد مالی مشکلات کی  
 وجہ سے اخبار بند ہو گیا۔ وہ نہایت غیور، صابر، اور قناعت پسند  
 تھے۔ کسی کے آگے ہاتھ پھیلا نا نہیں جانتے تھے۔

کہا جاتا ہے کہ جب وہ مصر سے نکل کر یورپ جانے کے لئے سوئے  
 آئے۔ تو ان کے پاس سفر خرچ نہ تھا۔ ایرانی سفیر نے چاہا کہ کچھ رو  
 کرے لیکن آپ نے انکار کر دیا۔ کہ

آپ اپنا روپیہ اپنے ہی پاس رکھیں۔ مجھ سے زیادہ  
 آپ کو اس کی ضرورت ہے۔ شیر جہاں جائے گا۔ اپنی غذا  
 ڈھونڈ لے گا۔

مصر سے روس گئے۔ تاکہ وہاں زاریروس سے مل کر ہندوستان  
 کی آزادی کے لئے کوشش کریں۔ چنانچہ وہاں دو سال رہے اور اسلام  
 کی بہت خدمت کی۔

روس میں شاہ ناصر الدین باوشاہ ایران سے ملاقات ہوئی۔ ان  
 کے ساتھ ایران آئے۔ چند روز ان کے ساتھ رہے۔ مگر اختلاف  
 کی وجہ سے الگ ہو گئے اور ایرانی عوام میں انگریزوں اور شہنشاہیت



سے نفرت کی تبلیغ شروع کی۔ یہ حالات دیکھ کر شاہ ایران نے انہیں  
 ایران سے نکل جانے کا حکم دیا۔ ان کے بہت سے معتقد وہاں تھے  
 انہوں نے ناصر الدین کو قتل کر کے شخصی حکومت کا خاتمہ کر دیا آپ  
 ڈیڑھ سال ایران میں رہے۔

پھر سلطان عبدالحمید خاں نے قسطنطنیہ بلا لیا۔ چنانچہ کچھ عرصہ  
 کے بعد ملک میں جمہوریت کی تبلیغ کرنے کی وجہ سے سلطان بھی مخالف  
 ہو گیا۔ اور انہیں قید کر دیا۔ باقی عمر قید خانہ میں گزری۔ آخریہ مجاہد اسلام  
 پیغمبر حریت ۱۸۹۷ء میں جیل خانہ میں فوت ہو گیا۔ اور قسطنطنیہ کے  
 ایک قبرستان میں دفن کر دیا گیا۔

تقریباً پچاس سال کے بعد قسطنطنیہ سے ان کی لاش منگو کر  
 افغانستان میں سپرد خاک کر دی گئی۔

## شعرا و ادبا پر مظالم

حضرت اورنگ زیب عالمگیر کے بعد سلطنت اسلامی زوال کی خوفناک منزل کی طرف بڑھنے لگی۔ خانہ جنگی نے ان تمام طاقتوں کا خاتمہ کر دیا۔ جو کسی خاندان، کسی قوم یا کسی ملک کی حیات و بقا کے لئے ضروری ہوتی ہیں۔ اٹھارھویں صدی ایک ہولناک انقلاب کا پیغام لائی۔ جسے ہماری ترویج زوال حالت نے لپیٹ لیا۔ اور ہمارے مروان کار نے بسرعت تمام بربادی و تباہی کی طرف جانا شروع کیا۔ جنگِ غدر ۱۸۵۷ء کے بعد انگریزوں کے قدم مضبوطی کے ساتھ جم گئے۔ اور سارے ملک میں انہوں نے رفتہ رفتہ اپنا اقتدار قائم کر لیا۔ ۱۸۵۷ء میں لارڈ ولیم کی افواج شاہانہ تڑک و احتشام کے ساتھ ولی تک آگئیں۔ اور شاہِ عالم ثانی بالکل انگریزوں

کی ماتحتی میں آگیا۔

یہی وہ زمانہ تھا۔ جبکہ شاہ ولی اللہ نے اپنی انقلاب انگیز تحریک شروع کی۔ یہ تحریک مذہبی بھی تھی۔ سیاسی بھی۔ معاشی بھی اور ادبی بھی۔ شاہ صاحب کا خیال تھا۔ کہ ہندو اور مسلمانوں کی کمزوری اور انحطاط کا باعث یہ ہے۔ کہ دونوں اس سچے مذہبی جذبہ سے محروم ہو گئے ہیں۔ جو انسان کو انسان بنائے رکھتا ہے۔ اس جذبہ کو وہ خدا پرستی اور تربیتِ نفس کے ذریعے بروئے کار لانا چاہتے تھے۔ مگر افسوس! کہ بہت لوگوں نے اس پر توجہ نہ کی۔

شاہ صاحب نے قرآن شریف کا سب سے پہلا فارسی ترجمہ کیا جس سے حکومت کے ایوان میں ایک زلزلہ برپا ہو گیا۔ اور اس کی خود غرضانہ بیگنخت سے جاہل عوام اور بیخود غلط مولوی نسنگی تلواریں لے کر شاہ صاحب پر ٹوٹ پڑے۔ ان کو اس سلسلہ میں وہی تکلیفیں اٹھانی پڑیں۔ جو جان کلف اور اس کے ساتھیوں کو انجیل کا ترجمہ کرنے پر اٹھانا پڑی تھیں۔ انجام کار حکومت کے ایک آلہ کار بدخواہ ملت نجف خاں نے شاہ صاحب کے ہاتھ کٹوا دیئے تاکہ وہ بذریعہ تحریر اپنے خیالات کی اشاعت نہ کر سکیں۔ اور ان کے دونوں بیٹوں شاہ عبدالعزیز اور شاہ بیچ الدین کو ملک بندہ

کر دیا۔

ایک ہندو مورخ رتن لال نبسل نے لکھا ہے کہ :-  
'بدیشی قوموں کے بڑھتے ہوئے خوفناک پنجوں  
سے ہندوستان کو بچانے کے لئے شاہ ولی اللہ  
صاحب زندگی بھر لڑتے رہے اور اپنے وارثوں  
بیٹوں، ارشدہ فاروں اور ہزاروں شاگردوں کے  
دلوں میں ایسی آگ چھوڑ گئے۔ کہ انہوں نے مرجانا پسند  
کیا۔ مگر ہندوستان کی علامی کوچپ چاپ  
بوداشت نہیں کیا۔'

انگلستان کی سیاسی جدوجہد مذہبی نزاع سے شروع ہوئی  
تھی۔ ایسے ہی ہماری آزادی کا تخیل مذہبی چشمہ سے پھوٹا۔ اور اس  
کا ہر ایک قطرہ ایک برقی آفریں آگ کا شعلہ تھا۔ جو جبر و استبداد  
کے بادلوں میں چشمک زنی کرتا رہا۔

غدر کا پہلا آشوب زمانہ ساری تاریخ کا ایک نیا دور تھا۔ جو  
تباہی و بربادی کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ مگر اس کا انجام آخر کار نوے  
سال کے بعد ہندوستان کی آزادی اور پاکستان کی تخلیق  
کا موجب ہوا۔

## شاہ ظفر اور اس کے فرزند

شاہ ظفر کا حسرت ناک انجام اس کے جان سے عزیز فرزندوں کی منگولوں نے موت اور محبتان وطن کا قتل عام یہ ایسے لڑوہ خیر واقعات ہیں۔ جو ایک علیحدہ کتاب کے محتاج ہیں۔ ہزاروں بہادر جنہوں نے انگریزوں کے خلاف علم جہاد بلند کیا تھا۔ نہایت بے رحمی سے قتل کئے گئے۔ پشمار آزادگان ملک سے باہر جانے پر مجبور ہوئے۔ آہ! ایک قیامت تھی۔ جو ہندوستان کے قلب میں برپا تھی۔ بڑے بڑے صاحب اقتدار اور والیان ریاست اور ان کے خیر اندیش وزراء صرف اس جرم میں اس دنیا سے جانے پر مجبور کئے گئے۔ یا جیل خانہ کی تنگ و تاریک کوسٹریوں میں ڈالے گئے کہ انہوں نے اپنی حفاظت کا جائز اقدام کیوں کیا۔ اور اپنے ملک و مال کو غیر ملکی مہذب ڈاکوؤں کی دست برد سے بچانے کی جرأت کیوں کی۔

## شاعر اور ادیب

دلی کالج کے پروفیسر، جلیل القدر شاعر و مصنف امام بخش



صہبائی بھی اپنی آزاد خیالی کے باعث دشمنوں کے حملہ سے نہ بچ سکے  
 مرزا غالب صہبائی کے قدروان اور حضرت سرسیدان کے ارادتمند  
 تھے۔ صہبائی اور ان کے دو بیٹوں کو غدر کے الزام میں توپ سے  
 اڑا دیا گیا۔ اور ان کی لاشیں دریا میں پھینکوادی گئیں۔  
 مفتی صدرالدین آذرہ نے جو فارسی امداد دو کے زبردست  
 عالم تھے۔ ایک فارسی مرثیہ میں جس کے چند اشعار درج ذیل ہیں اپنے

درد و دل کا اظہار کیا ہے

ندامت کجا رفت آن نعش پاک	فلک برد ما ند چور وئے خاک
ندامت کسے واد او را کفن	دیا ماند چوں سایہ بر خاک تن
ندامت چه کرد است با او سپهر	ز جامہ کفن کرد یا تاب مہر
نمائش نمودند او را نہاں	ویا مرتفع شد سوئے آسماں
کسے فاتح ہم برد خواند است	بعط عجبانی بر افشاندہ است
کدامی گل و بلبل و یاد دشت	بخاکش بحسن عقیدت گذشت
اہلی بیامرز مظلوم را	کلا و شہی وہ بکس بقا

بفرد و کس اعلیٰ بود جائے او

بہشت بریں باو ماوائے او

نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ کو بغاوت کے الزام میں سات سال  
کی قید کا حکم ہوا۔ وہ اردو فارسی کے بڑے خوش فکر شاعر تھے غالب  
کو ان سے بے انتہا محبت تھی۔ ایک خط میں لکھتے ہیں۔

مصطفیٰ خاں کا حال سنا ہوگا۔ خدا کرے۔ مراجعہ  
میں چھوٹ جائیں۔ ورنہ حبس مفت سالہ کی تاب اس

ناذیر و وہ میں کہاں۔“

نشی محمد اسماعیل حسین منیر شکوہ آبادی نے غدر میں بڑی سرگرمی  
سے حصہ لیا تھا۔ ان کو بالآخر قید کر کے انڈیمان بھیجا گیا۔ وہاں انہیں  
جو تکلیفیں ہوئیں۔ انہوں نے ایک قطعہ کی صورت میں پیش کیں ہیں۔

فرخ آباد اور یاران شفیق  
آئے باندے میں مقید ہو کے ہم  
کو ٹھٹھی تازہ یک پانی مثل قبر  
پھر الہ آباد لے جائے گئے  
جو الہ آباد میں گزرے ستم  
پھر ہوئے کلکتہ کو پیدل رداں  
چھٹ گئے سب گروش تقدیر سے  
سو طرح کی ذلت و تحقیر سے  
تنگ تر تھی حلقہ زنجیر سے  
ظلم سے تلبیس سے نرذیر سے  
ہیں فزوں تقریر سے حریر سے  
گرتے پڑتے پاؤں کی زنجیر سے

ہمتکڑی ہاتھوں میں پیرمی پاؤں میں

نالواں ترقیس کی تصویر سے

منیر سات سال کے بعد انڈیمان سے رہا ہوئے۔ یہ زمانہ انہوں  
 نے کہیں مصیبت سے گنانا۔ اس کا اندازہ مندرجہ ذیل اشعار سے  
 ہو سکتا ہے۔ جہاں انہوں نے رہائی کی خوشخبری سن کر لکھے تھے:-

رخصت اے دوستان زندانی	الفراق اے ہجوم نا چاری
دال چاول سے کہہ دو رخصت ہل	دوبلے پانی میں یہ نمک کھاری
پھلیوں سے کہو کہ ہٹ کے میری	گھاس کھو دے یہاں کی ترکاری
چینی، برہمی، ملائی، مدزاسی	اہل آسام اور تاتاری
اپنے دیدار سے معاف کریں	اپنی باتوں سے ویس سبک ساری
کالے پانی سے ہوتے ہیں رخصت	اشک شادی ہیں آنکھ سے جاری
بیٹھے ہیں ہزار دوری پر	اسٹتے ہیں لسنگر گراں باری
نکلے دریائے شور سے صد شکر	بحر شیریں کی آگئی باری

نظر آیا۔ سوادِ کلکتہ

شکر صد شکر حضرت باری

# انور پاشا

جن نامور ہستیوں نے اسلام اور ملت کی خاطر اپنی جانیں قربان  
کر دیں۔ ان میں انور پاشا نمایاں درجہ رکھتے ہیں۔ ان کی سازی عمر  
ملک کی حفاظت۔ قوم کی خدمت اور اسلام کے لئے جہاد میں گزری  
جب جنگ عظیم میں ترکوں کو شکست ہوئی۔ اتحادی بیڑا  
در و انیال آپہنچا۔ اور قسطنطنیہ پر اتحادی قبضہ ہو گیا۔ تو بہادر  
انور پاشا نے یہی مناسب سمجھا۔ کہ ترکی سے نکل کر کسی دوسرے  
محاؤ پر کام کرے۔ اور وہ وسط ایشیا میں چلے گئے۔  
انور پاشا چاہتے تھے کہ روس سے ساز باز کر کے ترکی  
کو امداد پہنچائیں۔ اور ان کی ولی خواہش تھی کہ ترکستان، داغستان  
آذربائیجان، افغانستان، عرب، ایران، مصر، شام و غیرہ سے

اتحاد پیدا کیا جائے۔

انور پاشا اسلامی ترکستان کو روس کے جو سے سے آزاد کر کے ایک خالص اسلامی حکومت قائم کرنے کے آرزو مند تھے۔ انور پاشا روسیوں کے بڑے دوست تھے۔ جب باسکو پہنچے۔ تو روس نے بولشویکوں کی ایک فوج ان کے ساتھ بخارا روانہ کی کہ وہ اہل بخارا اور روسیوں کے درمیان پڑ کر صلح کرا دیں۔ ابھی یہ کام انجام نہ پایا تھا۔ کہ انور پاشا روسیوں کی پالیسی ان کے معتقدات اور مخالفت اسلام خیالات سے متاثر ہو کر اہل بخارا سے مل گئے اور ترکستان میں اپنی بادشاہی سما اعلان کر دیا۔ روس یہ کیونکر برداشت کر سکتا تھا۔ اس نے ٹڈی دل فوج کے ساتھ انور پاشا پر حملہ کر دیا۔ انہوں نے سینہ سپر ہو کر مقابلہ کیا۔ مگر ہر قدم پر ناکامی نظر آنے لگی۔

زندگی کے آخری دن انور پاشا بلجوان میں تھے۔ اس وقت ان کے ساتھ سولہ نوجوان ہندی مہاجر تھے۔ ۳۴ اگست ۱۹۲۲ء عید الفصحی کی صبح کو بیدار ہوئے۔ نماز صبح سے فارغ ہو کر ایک درخت کے نیچے بیٹ گئے۔ اور اپنے رفیقوں کو بلا کر کہا کہ ”دوستاں دیدم بخواب امشب کہ می گموم شهید“



خوشی را از بہر دین در عید قربان مے کنم

”یہیں آپ کا بڑا افسر اور کماندار تھا۔ اور چونکہ آپ پر میری طرف سے کوئی سختی ہونی ہوگی۔ اس لئے میں آپ سے معافی مانگتا ہوں اور التجا کرتا ہوں کہ میرے حق میں دعائے خیر فرمائیں۔“  
یہ بات سُنکر دوستوں کے دل دھڑکنے لگے۔ آنکھوں

میں آنسو بھرائے۔ سب نے اپنے بہادر اور پیارے رہنما کو محبت کی نظروں سے دیکھا۔ اور تسلیاں دینی شروع کیں۔

اتنے میں نماز عید کا وقت آگیا اور نماز عید پڑھنے کے لئے کھڑے ہو گئے۔ اداۓ نماز کے بعد جو لوگ کیمپ کی حفاظت کے لئے مقرر کئے گئے تھے۔ اپنی اپنی جگہ چھوڑ کر عید کی رسمیں ادا کرنے کے لئے اپنے دوستوں میں مل گئے۔

اس موقعہ کو غیبت سمجھ کر دفعۃً دشمنوں نے حملہ شروع کر دیا۔ ہندی مجاہدین میں سے چار اشخاص کو جو کہ گولہ اندازی میں پوری بہارت رکھتے تھے۔ پہاڑ پر چڑھ کر توپ چلانے کا حکم دیا۔ خود تیسری طرح گر جتے ہوئے میدان میں آئے۔ دشمنوں کے بے شمار آدمیوں کو تیرتخ کیا۔ باقی بارہ مجاہد ہندی بھی تیغیں سوت کر مقابلہ کے لئے آگے بڑھے۔ کچھ دیر تک جنگ و جدل کا بازار گرم رہا۔

اس کشمکش میں ایک گولی غازی انور پاشا کے دائیں شانے پر لگی۔ اور کریچ آپ کے دائیں ہاتھ سے گر پڑی۔ بائیں ہاتھ سے اسے سنبھال کر لڑتے رہے اور کئی ایک کو جہنم حاصل کیا۔ مگر افسوس کہ دوسرے شانے پر بھی گولی لگی اور پھر آٹا فانا دشمن کی ایک تلوار گردن پر پڑی کہ وہ لاثانی بہادر اور اسلام کا نامور فرزند ہمیشہ کے لئے اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔

بارہ بہادر ہندی بہا جروں نے بھی غازی کی پیروی کی اور اسی جگہ جام شہادت نوش کیا۔ اسلامی فوج کے کچھ بہادر سپاہی بھی اس شور و غوغا میں وہاں پہنچ گئے۔ اور ان میں سے بھی اکثر بہادرانہ جنگ کے بعد جنت کو سیدھا رہے۔

شہادت کے چوبیس گھنٹے بعد تیس ہزار مسلمان روتے ہوئے آپ کی نعش اٹھا کر لے گئے۔ نماز جنازہ ادا کی۔ اور انہیں موضع بھوان میں سپرد خاک کیا۔ آپ کی قبر پر بارہ حافظ مقرر کئے گئے جو رات و دن قرآن مجید کی تلاوت کرتے رہتے ہیں۔ ہر روز ہزاروں مسلمان آکر فاتحہ خوانی کرتے ہیں۔ آپ کا مقبرہ ایک عظیم الشان زیارت گاہ بن گیا ہے۔

ادا کر دند خویش سے بجاک و خون غلطیدن

خدا رحمت کند این عاشقانِ پاک طینت را

## فتحِ ادرنہ

گیلی پولی میں جو پہنچی یہ خبر انور کو  
قبضہ غیر میں جاتا ہے ایڈر یا نوبل  
صورتِ برق تڑپنے لگا دل سینے میں  
پھاگئے سامنے آنکھوں کے الم کے بادل  
وقتِ غفلت نہیں۔ لازم یہ بہرِ عدوت  
اس شرارت کا بہت جلد کریں ردِ عمل  
ہو گئے اسپ سبک کام یہ فی الفور سوار  
آس کا عزم سفر میں نہ کسی طرح تخل  
بیسویں میل کی اک شب میں مسافت طے کی  
سدرہ گرچہ تھے رستے میں کئی شعوب و جبل

نوٹ:۔ یہ واقعہ ۱۹۱۲ء کا ہے جبکہ جنگِ بلقان زوروں پر تھی۔ اور  
ترکی کے یورپی مقبوضات بغاوت پر تلے ہوئے تھے۔

یابِ عالی میں سحر ہوتے ہی وہ جا پہنچے  
 چل پڑے سوئے اور نہ وہیں بابانگِ دل  
 ناگیاں واں جو ہو ان کا نزولِ اجلال  
 جیشِ اسلام گیا دیکھ کے فی الفور سنبھل  
 نامِ انور جو سنا ڈگئے دشمن کے حواس  
 پڑ گئی لشکرِ تھیث میں بے ہمد بھیل  
 ایک ہی حملہ پڑ جو شس میں یہ حال ہوا  
 نہ رہا جذبہٴ قیصر نہ جلال ہر قتل  
 بدحواسی میں جدھر سینک سمائے بھاگے  
 کوئی گھوڑے پر سوار اور کوئی تھا پیدل  
 فاتحانہ جو ہوئے شہر میں داخل انور  
 فرش رہ کوچہٴ بازار تھے۔ حیران محل  
 نعرے مسلم کے اور نہ کی فنسائیں گونجے  
 پھولے جاموں میں سمانہ تھا سلام کا دل  
 نشر فرخ جو ہوئی یہ خبر حیرت خیز  
 بے بدل خلق میں سمجھا گیا انور کا عمل

# مصطفیٰ کمال پاشا

مصطفیٰ کمال پاشا — ایک تقسیم بچہ تھا۔ اس کی سرپرست اس کی کمزور والدہ تھی۔ باپ اسے چھوٹی عمر میں چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہو گیا۔ مصطفیٰ کمال نگرانِ حال شکستہ دل ماں کے سوا کوئی نہ تھا۔ اس نے اپنی ہمت اور کوشش سے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ جنگی کالج میں داخل ہوا۔ فوج میں بھرتی ہو کر بڑے بڑے خطرناک محاذات پر دادرشجاعت دی۔ جرمن ہرنیل اور وزیر جنگ سے اکثر اختلاف رہا۔ مگر مصطفیٰ کمال کی رائے صائب ہوئی۔

اکتوبر ۱۹۱۸ء میں جب جنگِ عظیم کے خاتمہ پر ترکوں نے ہتھیار ڈال دیئے، سلطان پر انگریزی اقتدار غالب آیا۔ اور قسطنطنیہ پر اتحادیوں کا قبضہ ہو گیا۔ تو ترکان احرار پر ایک آفت نازل ہو گئی



قوم پرست لیڈر گرفتار کئے گئے۔ جلاوطن کئے گئے۔ یا خود بخود  
وطن سے نکل گئے۔

کمال قسطنطنیہ سے نکلا، اور ایشیا کی طرف چلا گیا۔ اور اپنے  
ہم مشرب لوگوں کو اناطولیہ آنے کی دعوت دی۔ پھر کیا تھا۔ تمام  
آنا و خیال مجتبان وطن مصطفیٰ کمال کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے  
مصطفیٰ کمال نے کچھ دن غور و فکر کے بعد انگورہ میں ایک نئی حکومت  
قائم کر دی۔ اپنی حفاظت و مدافعت کا سامان شروع کر دیا۔  
مگر مصیبت یہ تھی کہ ان کے پاس نہ روپیہ تھا۔ نہ سامان جنگ  
اور نہ فوج۔ اُدھر ایک طرف جنرل انزا اور پاشا اور علیمان حقیق  
جیسے غدار قسطنطنیہ سے حملہ آور ہوئے۔ اور دوسری طرف یونانی  
سفاک سمزنا سے نکل نکل کر عسکی شہر کی طرف آ رہے تھے۔ لیکن  
مصطفیٰ کمال کی ذہنی قابلیت عملی استعداد اور جنگی کمالیت نے  
چند ہی ماہ میں اناطولیہ کو دشمنوں سے پاک و صاف کر دیا۔

خدا کی شان قسطنطنیہ والے شکست کھا کر اپنی حقیقت سے  
واقف ہو گئے۔ بلکہ مصالحت کے لئے کوشش کرنے لگے۔ اور  
یونانی اپنی طاقت اور اتحادیوں کی مہارت کے زخم میں اتنے بڑھ  
گئے۔ کہ اپنا مرکز مہبول گیا۔ وہ انگورہ کی تسخیر کے خواب دیکھ رہے

تھے۔ مصطفیٰ کمال شیر کی طرح گر جتا ہوا نکلا۔ اور یونانیوں کو سمندر  
کی طرف دھکیل دیا۔ شاہ یونان جو بنفس انگورہ کو فتح کرنے کے خیال  
سے سمرنا میں مقیم تھا۔ بے میل مرام واپس گیا۔

غرضیکہ چند سال میں سلطنت انگورہ ایک مضبوط سلطنت  
بن گئی۔ ہر طرح کا انتظام مکمل ہو گیا۔ اتحادیوں نے تسلیم ختم کیا۔  
مختلف کافر نسلیں ہوئیں۔ مدانیہ میں سیور سے ہیں۔ لوزان میں  
ہر جگہ ترکوں کو کامیابی ہوئی۔ قسطنطنیہ مل گیا۔ وردانیال اور بحیرہ  
مارمورا آزاد ہو گئے۔ مصطفیٰ کمال کو قسطنطنیہ میں ایک باغی قرار دے  
کر سزائے موت کا حکم دیا گیا تھا۔ اب وہی باغی حکومت کا ترکی  
صدر تھا۔ اور تا دم زلیست صدر ہی رہا۔

ترکی کا مرد بیمار جسے یورپ کے سیاسی ڈاکٹر ختم کر چکے  
تھے۔ بالکل تندرست ہو گیا۔ اور اپنے عمل سے اپنی زندگی کا ثبوت  
دیا۔ ہو لوگ رٹ کی کے خون بھرے ہاتھوں سے مصافحہ کرنے کے  
روادار نہ تھے گلے ملنے کے لئے تیار ہو گئے۔

لارڈ کرزن نے لوزان کانفرنس کے صدر نے

لوزان کانفرنس کے اختتام پر جو تقریر کی۔ اس میں کہا:

ہم نے ترکوں سے ان شرائط پر صلح کی ہے۔ جو ایک

مفتوح قوم فاتح قوم سے کرتی ہے۔  
 مصطفیٰ کمال کو خوش قسمتی سے جنرل عصمت پاشا۔ غازی علی خاں  
 خالدہ ادیب خانم وغیرہ جیسے بہت سے مشیرانِ کارمل گئے۔ جن  
 کی مساعیٰ ٹرکی کی حیاتِ ثانیہ کا موجب ہوئیں۔  
 یورپ کے اکثر سیاح۔ مدیر اور اخبار نویس انگورہ آئے۔  
 اور مصطفیٰ کمال کی ملاقات سے اس قدر متاثر ہوئے کہ انہیں ہمہ  
 صفت موصوف انسان تسلیم کرنا پڑا۔

مصطفیٰ کمال جیسا بہادر جرنیل تھا۔ ویسا ہی انتظام مکی کا  
 ماہر۔ وہ جیسا زبردست مقرر تھا۔ ویسا ہی اعلیٰ پایہ کا مصنف  
 کوئی طاقت اس کے عزم کو متزلزل نہ کر سکتی تھی۔ اور کوئی  
 استدلال ان کے خیالات کو بدل نہ سکتا تھا۔ ایک ایک تقریر  
 کئی کئی دن جاری رہتی۔ جماعت دستور (مجلس ملی) اکثر دفعہ ایسا  
 ہوا۔ کہ مخالفت جماعت مخالفت پر تیار ہو کر آئی۔ مصطفیٰ کمال علیحدہ  
 اپنی جگہ پر خاموش ہے۔ ایوان میں سرگوشیاں ہو رہی ہیں مینصوبے  
 سوچے جا رہے ہیں۔ کام شروع ہونے کا وقت  
 آیا۔ اور سپیکر (صدر مجلس) نے ایک دو دو میز پر پینسل کی ضرب  
 لگائی۔ مصطفیٰ کمال وقار سے اٹھا۔ صدر کے پاس آکر تقریر شروع

کی۔ اور تمام موضوعات پر اس خوبی۔ معقولیت اور متانت سے گفتگو کی۔ کہ رفتہ رفتہ مخالفین کی آنکھیں نہمی ہو گئیں۔ سر جھک گئے ہمہ تن گوش ہو کر سن رہے ہیں۔ ————— تقریر ختم ہوئی۔

ہر طرف سے تحسین کی صدا بلند ہوتی ہے۔ اور کوئی مخالف اعتراض کے لئے نہیں اٹھتا۔

مصطفیٰ کمال ارادوں کا پکا۔ اصول کا دلدادہ۔ نہایت مستقل مزاج۔ بہادر اور دلیر تھا۔ اپنے معاملات میں کسی کا دخل پسند نہیں کرتا تھا۔

لطیفہ خاتم ان کی بیوی کو صرف دو سال میں علیحدگی اختیار کرنی پڑی۔ کیونکہ وہ ان کے فرائض منصبی اور سیاسی معاملات میں دخل دینے لگ گئی تھیں۔

مصطفیٰ کمال ساری عمر قوم کے سود و بہبود اور ملک کی آزادی و فلاح کے لئے سر بکف رہا۔

آخری ایام میں وہ سخت بیمار تھا۔ تشنج کے دورے پڑ رہے تھے۔ مگر شیر دل تکالیف سے بے پروا اور موت کے خوف سے بے نیاز ہو کر اپنے کام میں مصروف تھا۔ باہر اسلامی وفد حیران و پریشان بیٹھا تھا۔ اور وہ اتحاد اسلامی کی سکیم مرتب کر رہا تھا۔

انجام کار اسی کشمکش میں جانِ خدا تے جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔  
 رفتی و کار ہا ہمہ در ہمہ گذاشتی  
 ہ شفتگی بروم عام گذاشتی

## کلام مجیدی کی عظمت

غازی مصطفیٰ کمال پاشا نے عید الفطر (۱۹۳۵ء) کی تقریبِ سعید  
 پر ایک پیغام قوم کے نام نشر کیا۔ جس کو نظم کی صورت میں ناظرین  
 کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔

بطل جلیل۔ حامی ہیں۔ مصطفیٰ کمال

جن پر ہے آج ملتِ اسلامیہ کو ناز

وہ پیکرِ جمال وہ سرچشمہ جلال

روئیقِ فزا تھا صورتِ محمود میں ایاز

جلسہ ہوا تھا مجلسِ ملی کا منعقد

تقریبِ عیدِ فطر پہ باشان و اتیاز

ارکانِ باوقار کا مجمع تھا پُر شکوہ

خطبہ دیا اک اس نے دلِ افروز و جان نواز



پروانہ وار مضطرب و بیقرار تھا  
 با چشم زار ہم صفت شمع جاں گزار  
 ڈوبا ہوا تھا سوز میں گویا ہر ایک لفظ  
 جیسے بنے تھے قلب و جگر پر وہ ہائے ساز  
 قرآن پاک سینہ سوزاں کے ساتھ تھا  
 فرمایا اہل بزم سے یہ از رو نیاز  
 "اے قوم! اس کلام مقدس پہ کر عمل  
 دنیا و دین میں تجھ کو جو ہونا ہے سرفراز"

(فرخ)

# سردار احمد علی جان کی شہادت

سردار احمد علی جان سلطنت افغانستان کے مختلف ذمہ دار عہدوں پر مامور رہے۔ وہ امیر حبیب اللہ خاں کے داماد اور شاہ امان اللہ خاں کے بہنوئی تھے۔ انہیں شاہی خاندان اور ملک میں بڑا اقتدار حاصل تھا۔

جب امان اللہ خاں بچہ ستھ سے شکست کھا کر افغانستان سے چلے گئے۔ تو علی احمد جان نے قندھار میں اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ لیکن بچہ ستھ نے قندھار پر بھی حملہ کر کے فتح حاصل کی۔ اور سردار علی احمد جان کو گرفتار کر لیا۔

چند روز بعد بچہ ستھ نے کابل میں منادی کرا دی کہ سردار علی احمد جان سابق وائے کابل کو بحالت اسیری کابل کے بازاروں

میں پھرایا جائے گا۔ اہل شہر پر غم و اندوہ کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ اس صدمہ  
 سے دل و جگر خون ہو گئے۔ ہر ایک کی آنکھیں نمناک تھیں۔ لبوں پر  
 آہ و فغاں۔ جب آمد آمد کی اطلاع ہوئی۔ طالبان ویدار گذر گاہ میں  
 جمع ہو گئے۔ بازاروں میں عوام کا ہجوم تھا۔ مکانوں کے دریاہوں اور  
 چھتوں پر خلقت ہی خلقت نظر آتی تھی۔ سبے آگے کوٹوال شہر تھا۔ اس  
 کے پیچھے فوج کا دستہ۔ بعد ازاں سردار علی احمد جان سرنگے، ایک  
 خاکی فیض اور معمولی پاجامہ پہنے ایک رفیق کے ساتھ آ رہے تھے  
 پاؤں میں چلی تھی۔ دونوں کے بازو پگڑھی سے باندھے ہوئے تھے  
 ان کے پیچھے دو اور ہمراہی اسی ہیئت کذائی میں آ رہے تھے۔ ان  
 کے پیچھے پھر فوج تھی۔ یہ تھکے ماندے اسیران بلا جب چند قدم چل کر  
 ٹھہر جاتے تو اپنے آشناؤں کی طرف نہایت یاس انگیز محبت بھری  
 نگاہوں سے دیکھتے۔ عوام پر خوف و ہراس کا عالم طاری تھا۔ کوئی زبان  
 سے ایک حرف نہیں نکال سکتا تھا۔ ذرا کسی نے اس جلیل القدر  
 انسان کی طرف ہمدردانہ نگاہوں سے دیکھا۔ تو بندوق کا رخ اس  
 کی طرف ہو گیا۔ غرضیکہ اس زور کابل میں ایک محشر پاتا تھا۔ ہر شخص  
 سوگوار اور ہر گھر ماتم کدہ بنا ہوا تھا۔ ہر ایک کے دل سے یہ صدا  
 اٹھتی۔ اور زبان پر آ کر رک جاتی ہے

نہ تڑپنے کی اجازت ہے نہ فریاد کی ہے  
 گھٹ کے مرجھاؤں یہ مرضی میرے صیاد کی ہے  
 جب ستانی دربار کے دروازے پر پہنچے۔ تو دربان نے  
 طعن و تشنیع سے کام لیا۔ سردار صاحب نے اس کو اور کچھ سفقہ  
 کو صلواتیں سنائیں۔ جب بچہ سفقہ کے سامنے پیش ہوتے تو  
 اس نے کہا :-

”تم ہی والی کابل تھے۔ اور تم نے ہی قندھار  
 میں اپنی بادشاہی کا اعلان کیا تھا۔ اب تمہاری کیا  
 حالت ہے۔“

سردار :- ”ہاں! وہ میں ہی ہوں۔ اور میں ہی اس کا مستحق تھا کہ  
 امان اللہ خاں کے بعد تخت کابل پر بیٹھتا۔ مگر قسمت  
 نے یاوری نہ کی۔“

بچہ سفقہ :- ”(ہنس کر) قندھار میں بھی تم باوشاہ بنے۔  
 سردار :- ”امان اللہ خاں بزدل تھا۔ بھاگ گیا۔ لیکن میں بہادر  
 ہوں۔ بہادروں کی طرح تمہارا مقابلہ کیا شکست و فتح  
 خدا کے ہاتھ میں ہے۔  
 بچہ سفقہ :- ”اب تمہارا کیا علاج ہے؟“



سرور: نہ تمہیں تین دفعہ گرفتار کر کے چھوڑ دیا تھا۔ اب جو تمہاری مرضی ہے کرو۔

بچہ ستقہ: تم میری اطاعت قبول کرو۔

سرور:۔ (غضب ناک ہو کر) چاہے تو میرے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے اڑا دے۔ میں تجھے بچہ ستقہ کے سوا کچھ نہ کہوں گا اور نہ تمہاری بیعت کروں گا۔ تیرے جیسا چور ڈاکو اور رہزن تختِ کابل کا مستحق نہیں ہو سکتا۔

بچہ ستقہ خاموش ہو گیا۔ سرور احمد علی جان نے پانی مانگا۔ ایک نوکر نے پانی لا کر دیا جو گرم تھا۔ سرور احمد علی جان نے ایک گھونٹ پی کر کہا: ”یہی تمہاری بادشاہی ہے۔ جہاں ٹھنڈا پانی بھی بیسر نہیں۔“ بچہ ستقہ نے ٹھنڈا پانی لانے کا حکم دیا۔ جب پانی پی لیا تو قید خانہ میں بھیج دیا۔

تقریباً ایک مہینہ کے بعد پھر بچہ ستقہ کے سامنے پیش کئے گئے۔ اس کے قاضی نے فتویٰ دیا۔ کہ چونکہ علی احمد جان نے امیر التومین بادشاہ اسلام کے خلاف بغاوت کی ہے۔ لہذا اس کی سزا قتل ہے۔ اس کو قتل کیا جائے۔

بچہ ستقہ نے کہا۔ ایک شرط پر یہ تمہاری جان بچتی ہو سکتی



ہے۔ اور وہ یہ کہ اپنا تمام روپیہ میرے حوالے کر دو۔ ورنہ توپ سے اڑائے جاؤ گے۔

سردار علی احمد جان نے کہا۔ تم کو شرم نہیں آتی۔ کہ تختِ حکومت پر بیٹھ کر بھی تمہارے وہی ڈاکوؤں جیسے خیالات ہیں۔ اگر میرے پاس روپیہ ہوتا تو میں تمہاری کھوپڑی میں پانی پیتا۔ اور تخت سے اتار دیتا۔ میں تم کو بادشاہ تسلیم نہیں کرتا۔ تم وہی ڈاکو ہو۔ صرف آنا کہتا ہوں۔ کہ مجھے توپ سے نہ اڑایا جائے۔ بلکہ چاند ماری کی جائے۔

مگر ظالم بچہ سقہ نے یہ بات نہ مانی اور کہا وہ توپ سے اڑائے جائیں۔ جب آپ توپ کے پاس لائے گئے۔ تو خاکی کپڑے پہنے ہوئے تھے اور سر پر کبیل تھا۔ بچہ سقہ نے حکم دیا۔ کہ انہیں توپ کے منہ کے آگے باندھا جائے۔ جب توپ کے منہ کے آگے جکڑے گئے۔ تو ہاتھوں کی ہڈیاں چکنا چور ہو گئیں مگر پیشانی پر بل تک نہ تھا نہ ہی آنکھ جھپکی۔ وہ اس وقت پریشان نظر نہیں آتے تھے۔ بلکہ مسکرا رہے تھے۔ اس آئینہ میں توپ کا فائر ہوا۔ صرف ہاتھ اور پاؤں جو کہ باندھے گئے تھے۔ رہ گئے تھے۔ باقی تمام بدن اڑ گیا۔

# شہاہیں کی موت

شہاہیں جو ہوئیں موت کے پنجے میں گرفتار  
اس پر نہ تھے طاری الم و یاس کے آثار  
اک جشنِ مسرت تھا بپا زارغ و زغن میں  
عیش اور خوشی کے پُغد و بوم میں افکار  
تھی نزرع کی حالت ہیں وہی شانِ خودی کی  
سوتے تھے نصیبِ اس کے مگر روح تھی بیدار  
لرزاں نہ ہوئی۔ اور نہ جنبش تھی پروں میں  
لیریز نہ اشکوں سے ہوئی چشمِ پیرا نوار  
کس درجہ ستم خیز تھا وہ لمحہ آخر  
ساکت تھی فضا۔ کانپ اٹھا گنبدِ دوار

## نادر شاہ شہید

۱۹۱۹ء میں جب ہندوستان کی پولیس کی تحریک زوروں پر تھی رولٹ ایکٹ کی وجہ سے تمام ملک میں جبر و تشدد کا سلسلہ جاری تھا پنجاب کے بڑے بڑے لیڈر جیلوں میں جا چکے تھے۔ ان حالات سے افغانستان متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ اور سرحد پر جنگ چھڑ گئی۔ جو بہادر جنرل ٹل کے علاقے تک پہنچ گیا۔ وہ افغانستان کا سپہ سالار جنرل نادر خان تھا۔ انگریز گھبرا گئے۔ اور افغانستان سے صلح کر لی۔ افغانستان جو پہلے انگریزوں کا وظیفہ خوار تھا۔ ایک آزاد ملک بن گیا۔

اس کے بعد جب امان اللہ خاں سیاحتِ یورپ کے لئے گیا۔ اور وہاں وہ بادۂ تہذیب سے اس قدر متاثر ہوا۔ کہ واپسی

پر اس نے اپنی قوم کو اسی رنگ میں رنگنے کی کوشش کی۔ مگر وہ  
 اس نئی تہذیب کا اثر قبول کرنے کیلئے آمادہ نہ ہوئے۔ ملک میں  
 بغاوت ہو گئی۔ اور دس سال کا حکمران تاب مقاومت نہ لاسکا  
 اسے اپنی قوم کو بچہ سقہ "ڈاکوؤں کے سردار کے بس میں چھوڑ  
 کر چلے جانے کے سوا چارہ کار نظر نہ آیا۔ بچہ سقہ نے نو ماہ کی  
 حکومت میں انتہائی مظالم کئے۔ بڑے بڑے بہادر سپاہیوں کو  
 توپ دم کیا۔ پھانسی پر پٹھایا۔ گولیوں کا نشانہ بنایا۔ لوگوں  
 کا زرو مال لوٹا۔ پاک و امن اور شریف عورتوں کی عصمت خراب  
 کی۔ گویا اس نے اور اس کے ہمراہیوں نے افغانستان کے  
 دارالسلطنت کابل میں قیامت برپا کر دی۔

جون ۱۹۲۹ء میں امان اللہ خاں اپنے اہل و عیال سمیت  
 اٹلی اور سردار عنایت اللہ خاں اپنے بیوی بچوں کو لے کر ایران  
 چلا گیا۔

جنرل تاورخاں اس وقت پیرس میں افغانی سفیر تھا۔ اسے  
 جب یہ حالات معلوم ہوئے تو وہ یکہ و تنہا کابل کو روانہ ہوا۔ اور  
 سرحد افغانستان کے لوگ بچہ سقہ کے مظالم سے تنگ آئے  
 ہوئے تھے۔ سب تاورخاں کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے۔

بچہ سقہ نے بہت سی چالیں چلیں۔ کہ کسی طرح نادر خاں کے ساتھ  
مصالحت ہو جائے۔ مگر نادر خاں کے پیش نظر یہی مصلحت تھی۔  
کہ بچہ سقہ کے ناپاک وارغ کو دامن افغانستان سے دور کیا جائے  
چند ہی روز میں اس کی طاقت کا خاتمہ کر دیا۔ نادر خاں کا برادر  
اصغر ولی خاں فاتحانہ کابل میں داخل ہوا۔ بچہ سقہ اور اس کے ساتھی  
گرفتار کر کے پھانسی پر لٹکائے گئے۔

اس فتح کے بعد نادر خاں، نادر شاہ کے نام سے تخت کابل  
پر بیٹھا اور اپنے بھائیوں کو وزارت قائم کر کے سلطنت شروع  
کی۔ مگر ابھی زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا۔ اور وہ ملک کی خوشحالی کے لئے  
خاطر خواہ کام نہ کر چکا تھا۔ کہ ایک تقریب پر ایک بدخواہ قوم  
طالب علم نے نادر شاہ کو شہید کر دیا۔

اس واقف سے تمام افغانستان میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی اور  
خیال کیا گیا۔ کہ اس کی تہ میں کسی گہری سازش کا ہاتھ ہے۔ مگر جو  
ہوتا تھا، ہو گیا۔ اور ایک بہادر سپہ سالار نے ملک کو ڈاکوؤں  
کے ایک گروہ سے نجات دلائی۔ اور رفاہ قوم کے لئے سلطنت  
کی باگ دوڑ سنبھالنے پر مجبور ہوا۔ اپنے دل کے ارمان نہ نکال سکا  
اگر وہ زندہ رہتا تو سلطنت افغانستان بہت ترقی کرتی مگر قدرت



کو یہی منظور تھا۔ خدا اس محب قوم فرزندِ اسلام کے مزار پر اپنی  
رحمت کے پھول برسائے۔

## نادر شاہ افغان

حضرتِ حق سے چلائے کے لوگوں نے لالہ  
وہ ابرہہ جس سے کہ اک گل ہے مثل تارِ نفس  
بہشتِ راہ میں دیکھا تو ہو گیا بے تاب  
عجب مقام ہے جی چاہتا ہے جاؤں برس  
صدا بہشت سے آئی کہ منتظر ہے تیرا  
ہرات کابل و غزنی کا سبزہ نورس  
سرشک ویدہ نادر بہ داغِ لالہ نشان  
چناں کہ آتش او را وگر فرو نہ نشان  
(اقبال)

## شہیدانِ پشاور

مسلمان بہادر مشہور ہے۔ وہ جس کام کا بیڑا اٹھالے اس سے گریز نہیں کرتا۔ ہندوؤں نے کانگریس کی تحریک شروع کی تو پچیس تیس سال تقریریں کرتے، ریڑھ بٹھکانے پاس کرتے اور جیلوں میں جاتے رہے۔ ان کا بہادر جرنیل میدان میں آیا تو کہا: روٹھا جاؤ۔ لاشیاں کھاؤ۔ اور قید میں جا کر پڑ رہو۔

جب مسلمان کانگریس میں شامل ہوئے۔ تو انہوں نے ستیہ گرہ نہیں کی۔ مجرموں کی طرح قید ہونا گوارا نہیں کیا۔ پولیس کی لاشیاں نہیں کھائیں۔ اور بے بال و پیر جانوروں کی طرح آسیر قفس نہیں ہوئے۔ مردانہ وار میدان میں آئے اور حکومت کے ساتھ مقابلے کے لئے سینہ سپر ہو گئے۔

اپریل ۱۹۳۳ء میں کانگریس کی سول نافرمانی کی تحریک جاری  
تھی۔ خلاف ورزی قانون کا بازار گرم تھا۔ اور ہندو بہادر نہایت  
امن سے جیلوں میں جا رہے تھے۔

پشاور میں سول نافرمانی ہوئی۔ وہ سول نافرمانی ایک مشغلہ  
نہیں تھا۔ پٹھانوں کی متقاومت مجہول تھی مسلمانوں کی خلاف  
ورزی قانون تھی۔

۲۲ اپریل کو قومی کارکنوں کا ایک اجلاس سرحد کے  
مجاہد لیڈر سید لال بادشاہ صاحب مرحوم کی صدارت میں منعقد  
ہوا۔ جس میں یہ فیصلہ کیا گیا۔ کہ ۲۳ اپریل سے شراب خانوں  
پر پکٹنگ کی جائے تاکہ قوم کو اس ام الحباثت سے نجات حاصل ہو  
جب جمہوریت دشمن حکومت کو اس بات کا علم ہوا۔ تو  
اس نے بہت سے قومی رہنماؤں اور اراکین کو نسل کے مکانات  
کو محاصرہ میں لے لیا۔ اور صبح ہونے سے پیشتر وار کو نسل کے متعدد  
ارکان گرفتار کر لئے گئے۔ ۲۳ اپریل کی تاریخی صبح کو شہر میں مکمل  
ہڑتال تھی۔ چوک یادگار۔ بازار بزازان اور قصہ خوانی میں لاکھوں  
انسانوں کا ایک سمندر موجزن تھا۔ وہ فرط جوش سے انقلاب زندہ باد  
کے نعرے بلند کر رہے تھے۔ وہ پکار رہے تھے۔ ہم آزادی چاہتے

ہیں۔ ہم آزادی لیں گے۔" قومی رہنما یکے بعد دیگرے اپنے تئیں  
 گرفتاری کے لئے پیش کر رہے تھے۔ انگریز ڈپٹی کمشنر صاحب  
 کابلی تھانہ کے پاس کھڑا دلدادگان آزادی کے پُر امن ہجوم کا نظارہ  
 کر رہا تھا۔ عوام اپنے لیڈروں کو آزاد کرانے کے مضطرب تھے  
 ڈپٹی کمشنر پبلک کے اس اضطراب کو برداشت نہ کر سکا۔ اور  
 فوجی ہیڈ کوارٹر میں فون کیا کہ شہر کا امن خطرے میں ہے۔ لہذا  
 مشین گنیں بھیج دی جائیں۔

ڈپٹی کمشنر کے حکم کے مطابق مشین گنیں وندناقی ہوئی آئیں۔  
 اور چند ہفتوں کو کچلنے کے بعد کابلی تھانہ کے پاس کھڑی ہو گئیں۔  
 عوام جمہوریت کشوں اور ورنہ صفت انسانوں کی اس حرکت  
 سے مشتعل ہو گئے۔ وہ اپنے بھائیوں کا اس طرح بھیڑ بکریوں کی  
 طرح کچلا جانا دیکھ نہ سکے۔ ایک مجاہد علاؤ الدین شاہ ہجوم کو چیرتا  
 ہوا آگے بڑھا۔ اور اس نے سرستھیلی پر رکھ کر مشین گن کو آگ لگا  
 دی۔ ایک انگریز فوجی افسر ریوالور پر ہاتھ رکھے۔ پوری فرعونیت  
 کے ساتھ موٹر سائیکل پر بیٹھ کر اپنی خونخوار فوج پر اترا۔ ہاتھاکہ  
 غازی عبدالرحمن سقم میدان میں آگیا۔ اور اس نے تلوار کے ایک  
 ہی وار سے اس کی گردن اڑا دی۔ دشمن مجاہدوں کے اس جذبہ



سے گھبرا اٹھا۔ اس نے مشین گنوں کے منہ کھول دیے۔  
 فوج کو اپنے اسلحہ پر ناز تھا۔ لیکن نہتے مسلمان اپنی روایتی  
 شجاعت سے مسلح تھے۔ پولیس اور فوج نے انہیں روکنے کی کوشش  
 کی۔ مگر یہ نہ روکے آگے بڑھتے گئے۔ لاکھیاں چلائیں۔ تو ان کے  
 سمند ہتھور پر تازیانہ ہو گئیں۔ انہوں نے رائفلیں تائیں۔ اور انہوں  
 نے چھاتیاں آگے کر دیں۔ ادھر سے گولیوں کی بوجھاڑ ہوئی۔ ادھر  
 سے جان بازی کا جذبہ جوش پر آیا۔ سینے پر زخم کھاتے تھے اور  
 گرتے تھے۔ پیچھے والے آگے بڑھتے تھے اور اپنے پیشروں کے  
 ساتھ لپٹ کر موت کی نیند سو جاتے تھے۔ بیستار بہا اور کمیٹ  
 رہے۔ جانبازوں کی پیش قدمی میں فرق نہ آیا۔ ان کا قدم پیچھے نہ  
 ہٹا۔

جب پشاور میں ہزاروں انسان خاک و خون میں تڑپ رہے  
 تھے۔ قصہ خوانی کا ذرہ ذرہ برطانوی شہنشاہیت کے ظلم و تشدد  
 کی گواہی دے رہا تھا۔ ہزاروں ماؤں کے لخت جگر گولیوں کے  
 شکار بنائے جا رہے تھے۔ اسی ہولناک ہنگامے میں ایک آفریدی  
 مجاہد جو مٹی کا تیل لینے بازار آیا تھا۔ براہِ رانِ وطن کا جذبہ حریت  
 اور انگریزوں کی وحشت و بربریت دیکھ کر بیقرار ہو گیا۔ وہ بڑھا



اور مسلسل کی بوتل ایک گورا سپاہی کے منہ پر دے ماری۔  
 گورا سپاہی لڑکھڑا کر گر پڑا۔ مجاہد نے اس سے بندوق چھین لی۔  
 اور دشمنوں کو ڈھیر کرنے کے بعد مورچہ بنانے کے لئے ایک بالاحاتہ  
 کی طرف بڑھا۔ لیکن بالاحاتہ کے مالک نے دروازہ کھولنے سے انکار  
 کر دیا۔ دشمن کے متعدد سپاہی بیک وقت آئے۔ اور اس مجاہد  
 کو گولیوں سے پھلنی کر دیا۔ جمہوریت کے دشمنوں نے اپنی بربریت  
 کا وہ بھیانک مظاہرہ کیا۔ جس کو دیکھ کر چنگیز اور ہلاکو کی روئیں بھی  
 لرز اٹھیں

جب قہقہہ خوانی میں ہزاروں بے گناہ انسانوں کے خون سے  
 سفید پھیڑوں کی پیاس نہ بجھ سکی۔ تو گلی، کوچوں، چھتوں اور  
 مکانوں پر جو بھی نظر آیا۔ اسے بیدردی کے ساتھ گولی سے آڑا  
 دیا گیا۔ تین روز تک مارشل لا جاری رہا۔ اور اس دوران میں  
 چنگیزیت اپنی پوری سفاکی کا فرما رہی۔ آزادی چاہنے والوں کو  
 آزادی کا نام لینے سے پہلے ہی ختم کر دیا جانا۔ جو زبان آزادی کی  
 حمایت میں کھلتی، وہ کاٹ لی جاتی۔ اور جو دل آزادی کے لئے  
 تڑپتا وہ مکال لیا جاتا۔ پرستاران آزادی اور محبان وطن کو طرح  
 طرح کی اذیتیں دے کر ان کا جذبہ آزادی کچلنے کے لئے ناکام

سچی کی گئی۔ لیکن قوم اس المناک مگر عظیم الشان قربانی کو بھلا نہ سکی  
 وہ تحریر جو خون سے لکھی جا چکی تھی مرٹ نہ سکی۔ حریت پسند شاہراہ  
 آزادی پر بڑھتے گئے۔ یہاں تک کہ سترہ سال کے بعد منزل نظر  
 آنے لگی۔ مگر قوم کو اس تک پہنچنے کے لئے ابھی بیسٹھار قربانیاں دینی  
 تھیں۔ اس لئے اسے عروسِ آزادی سے ہمکنار ہونے کے لئے  
 ابھی خون کے دریا میں تیرنا تھا۔ آزادی خون کی بھینٹ چاہتی تھی  
 جو اسے دی گئی۔

یہ قیامت خیز واقعہ ہندوستان کی تاریخ میں خونیں حروف سے  
 لکھا جائے گا۔ ہندوستان! — نہیں — یہ گنج شہیداں  
 — بھی پاکستان کے حصے میں آیا ہے۔ یہ دولتِ لازوال ہمیشہ  
 پاکستان کے قبضے میں رہے گی۔ ہر سال ان شہیدوں کی یادگار  
 منائی جائے گی۔ مسلمان کے حوصلے بڑھیں گے۔ اور ملک و ملت  
 کی حفاظت میں اپنی جانیں نثار کریں گے۔ ہندوستان کو یہ سعادت  
 کہاں نصیب ہو سکتی تھی۔

سرمد! غمِ عشق بولہوس راند ہند  
 سوزِ دل پروانہ گس راند ہند  
 مدد تے باید۔ کہ یار آید بکشتار  
 دلِ دولتِ سرمد ہمیں راند ہند  
 سرمد

## حادثہ مسجد شہید گنج لاہور

مسجد شہید گنج لاہور۔ ایک قدیم اسلامی مسجد تھی جس پر  
سکھوں نے اپنے عہد حکومت میں قبضہ کر لیا۔ اور اس کی جو کچھ بھی  
بے حرمتی ہو سکتی تھی کی گئی۔ انگریزوں کے زمانے میں مسلمانوں  
نے اس کی باریابی کا مطالبہ کیا۔ عدالت کا دروازہ کھٹکھٹایا مگر  
ایک انسانی اور غیر مذہبی حکومت کے قانون نے مسجد کی حرمت  
سے محروم کر دیا۔ مسلمانوں کا مصلحت اندیش اور اعلیٰ طبقہ تو خاموش  
رہا۔ وہ مسجد کی دوڑ دھوپ میں کبوتے بتاں تک جا کر رہ گیا۔ مگر  
مسلمانوں کا وہ گروہ جو ہر ایک چیز کو اپنے اصلی رنگ میں دیکھنے  
کا شوگر ہے۔ وہ ان مصلحتوں کو بے حقیقت سمجھتا تھا۔ وہ مسجد کو  
مسجد ہی سمجھتا تھا۔ جب ہزاروں سال کے بعد کعبہ سے بت نکالنے

جا سکتے تھے۔ خانہ خدا کی حرمت بحال ہو سکتی تھی۔ تو مسجد شہید گنج  
کیوں مسجد نہیں ہو سکتی تھی۔ اور سکھوں کو وہاں سے نکالا نہیں جا  
سکتا تھا۔

مسلمانوں نے ۱۹۳۵ء میں مسجد پر قبضہ کرنے کا تہیہ کر لیا۔  
سول نافرمانی شروع ہو گئی۔ ہزاروں مسلمان جمع ہو گئے۔ پولیس اور  
فوج بھی مسجد کی حفاظت یا سکھوں کی حمایت کے لئے آگئی۔ تمام  
راستے خاردار تاروں سے روک دیئے گئے۔ اور سپاہی بندو قیں  
تاق کر کھڑے ہو گئے۔

ادھر یہ ہنگامہ قیامت برپا ہونے والا تھا۔ ادھر مجلس احرار  
کے ارباب اقتدار اپنی قیام گاہ میں سیاسی جال بن رہے تھے۔  
کہ کسی طرح وزارت کا ہمارے اقتدار ان کے قبضے میں آجائے۔  
انہیں علم تھا کہ محشر برپا ہونے کے آثار پیدا ہو رہے ہیں۔ مگر  
آرام و راحت کے خوشگوار خواب دیکھنے والے ایسی روح فرسا  
تعبیر دیکھنا کب پسند کرتے تھے۔

جانباز مسلمان جنگلے سے باہر نہ رہ سکے۔ ان کا ولولہ شہادت  
آگے بڑھنے کے لئے مجبور کرتا تھا۔ ایک بسم اللہ کر کے تار پھاند  
کر اندر گیا۔ اور گولی چلی۔ وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ دوسرے نے اللہ اکبر

کہہ کر پھلانگ لگائی۔ اور وہ جھگڑے کے اندر تھا۔ جاتے ہی گولی لگی۔ اور وہ اپنے ساتھی کے پاس تھا۔ اسی طرح اسلام کے کئی فدائی یکے بعد دیگرے قربانگاہ میں گئے۔ اور چھاتیاں تان تان کر گولیاں کھانے لگے۔ ابھی یہ سلسلہ جاری تھا۔ ادھر مسجد کی واگڈاری کا فیصلہ ہو رہا تھا کہ — دو مصلحت اندیش اور مصلحت کوشش انحصار سے بنے بنا بنا یا کھیل بگاڑ دیا۔ اور لوگوں کو درغلا کر یہ سلسلہ بند کر دیا۔ افسوس! ان لوگوں کے دخل در معقولات نے شہیدوں کی دلی آرزو پوری نہ ہونے دی۔ اور بے شمار قربانیاں اکارت گئیں۔

## مسجد مسجد ہی رہے گی

جو ہو جائے مسجد یہ غیروں کا قبضہ  
 مسلمان کو سمجھے گا حقدار اس کا  
 وہ قانون کس طرح قانون ہوگا  
 رہا قبضہ کفر کعبے پہ صدیوں  
 بدلتی نہیں اس کی حرمت ذرا بھی  
 ہو دستور ملکی۔ کہ فرمان شخصی  
 ہے قانون قدرت کے جو کہ منافی  
 بتوں سے ہوا آخر کار خالی  
 گذر جائیں صدیاں۔ بدل جائے دنیا  
 بہر حال مسجد مسجد ہی رہے گی (فرخ)



## ایک ہمہ گیر مناک خونی حادثہ

غدر کے بعد جب ہندوستان پر انگریزوں کا تسلط ہوا۔ تو ہندو محکوم اور مسلمان حاکم دونوں ایک سطح پر آگئے۔ بلکہ مسلمان مسلمان ہونے کی وجہ سے بدظنی کا شکار ہونے اور ہندو انگریزوں کے منظور نظر بن گئے۔

ہندوؤں کے دل میں مسلمانوں کی آٹھ سو سال کی محکومی کا خار کھٹکتا تھا اور وہ ان سے انتقام لینے کی خاموش آگ سینے میں چھپائے بیٹھے تھے۔ انہوں نے مسلمانوں کی معیشت میں آزادی ہند کی تحریک شروع کی۔ اور جب کامیابی کی صورت نظر آنے لگی۔ تو رفتہ رفتہ بے نقاب ہو گئے۔ مسلمانوں پر ثابت ہو گیا۔ کہ اگر ملک آزاد ہو گیا۔ تو وہ انگریزوں کی غلامی سے نکل کر ہندو کے

دائمی غلام بن جائیں گے چنانچہ انہوں نے "پاکستان" کا مطالبہ  
پیش کر دیا۔ جو سات سال کی جدوجہد کے بعد پورا ہو گیا۔ انگریز  
اور ہندو پاکستان کی علیحدہ اسلامی سلطنت منظور کرنے پر  
مجبور ہو گئے۔

ادھر آزادی کا اعلان ہوا۔ ادھر ہندوؤں نے اسلامی  
اکثریت کے صوبوں میں بعض عداوتوں کے معاون بن کر اپنی شمولیت  
سے ایسی مخلوط وزارتیں قائم کر لیں۔ جو درحقیقت ہندو حکومتیں  
تھیں۔

خفزی وزارت کے خلاف پنجاب میں مسلم لیگ نے  
سول تافرمانی شروع کی۔ جو ایک مہینہ کی کامیابی کے بعد خفزی  
وزارت کے استعفیے پر منتج ہوئی۔

اب پنجاب کی کامیاب جماعت مسلم لیگ کی وزارت قائم  
ہونے کا وقت آیا۔ مگر ہندو سکھ سازش اور انگریز کی اعانت  
سے فسادات شروع ہو گئے۔ جس کی ابتداء امرتسر سے ہوئی۔  
امرتسر میں پانچ ماہ شور و فساد کا بازار گرم رہا۔ سکھوں اور  
ہندوؤں نے مسلمانوں پر حملے کئے اور مسلمانوں نے ان کا  
جواب نہایت پامروئی سے دیا۔ دیہات میں سکھوں نے

مسلمانوں پر یورش کی۔ مگر ہر جگہ شکست کھائی اور مسلمان کامیاب رہے۔

۱۵ اگست ۱۹۴۷ء آزادی کا دن تھا۔ لیکن اس سے

چند روز پہلے ہی تمام مشرقی پنجاب میدان کارزار بن گیا۔ اکالی سکھ، ہندو، اشٹریہ سیوک دل اور سکھ ریاستوں کی مسلح فوجیں ایک منظم صورت میں حملہ آور ہوئیں۔ انہوں نے مسلمانوں کے گھر لوٹے، مکان جلائے، عورتوں کی بے آبروئی کی۔ ان کا اغوا کیا۔ مسلمان بچے، جوان بوڑھے سب کو بھالوں تلواروں اور بندو قوں سے قتل کیا۔ ان کے مکالوں اور محلوں پر بم برسائے۔

مشرقی پنجاب کا ہر شہر ہر قصبہ اور ہر گاؤں میدانِ کربلا بن گیا۔ دس لاکھ مسلمانوں کے خون سے وہاں کی زمین لالہ زار بنی۔ وہلی اور یوپی میں بھی مسلمانوں پر عرصہٴ حیات تنگ کیا گیا۔ ستر لاکھ خاتماں برباد پاکستان کی طرف آنے پر مجبور ہوئے۔ لیکن وحشی سکھوں نے ہاجرین کی ٹرینوں اور پیدل قافلوں پر حملے کر کے ہزاروں کو قتل اور مجروح کیا۔

تمام دنیا اس واقعہ پر حیران تھی۔ تاریخ کے اوراق ابتدائے آفرینش سے ایسا خونیں انقلاب، ایسا سببِ ناکِ حادثہ اور ایسا

محشر خیز سانحہ پیش نہیں کر سکے۔

ستر لاکھ انسانوں کا بحالت مجبوری مشرقی پنجاب اور ہندوستان کے دوسرے علاقوں سے نکل آنا ایک عبرت انگیز واقعہ تھا۔ اتنی تعداد کثیر ہندوستان کو تہ و بالا کر سکتی تھی۔ مگر افسوس! مسلمانوں میں قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی روح اسلامی تھی۔ اور نہ فوجی تنظیم ہمارے لیڈر فسادات کا رنگ دیکھتے ہی جان بچا کر نکل آئے۔ ہندوستان میں آکر اپنے مفادات اور لیڈری کی داغ بیل ڈالنے میں مصروف ہو گئے۔

انجام کار خدائے عز و جل نے مخلص اور جانیاز مسلمانوں کی قربانیاں قبول فرمائیں۔ اور خانہ بدوشوں کو ایک ایسا وطن دیا جس میں وہ بلا شکرکت غیر سے آزادانہ زندگی بسر کر سکیں۔ ہمیں رنج ہے کہ سارے تہمتیں کر ڈھائی ہندوستان میں رہ گئے۔ لیکن اگر پاکستان کے بغیر ہندوستان آزادی حاصل کرتا۔ تو دس کروڑ مسلمان ایک ہی صدی میں ہندوؤں میں مدغم ہو جاتے۔ یا اپنے اسلامی شعائر و دینی خصوصیات کو کھو بیٹھے۔ اب اگر پاکستان مضبوط ہو جائے۔ تو ان کا بال بیکا نہیں ہو سکتا۔ اور ان کی ہر طرح مدد کر سکے گا۔



## نگاہِ واپس

وہ دن کہاں ہیں جب تھا ہندوستان ہمارا  
یہ سرزمین ہماری یہ آسمان ہمارا  
اے آبِ رودِ گنگا۔ وہ دن ہیں یاد تجھ کو  
اترا تیرے کنارے جب کارواں ہمارا  
(اقبال)

ہونے لگے ہیں رخصت صدیوں کے بعد تجھ سے  
اب ہو گیا گزارا مشکل یہاں ہمارا  
جاتی رہی حکومت، بس ہو گئی سیادت  
ہر دم تھا جس زمیں پر صیکہ رواں ہمارا  
وہ بلبلوں کے نغمے اب پھول کیا سنیں گے  
زارغ و زرغن نے چھینا ہے گلستاں ہمارا  
چھوڑا اگر تو چھوڑا کچھ بال و پر کتر کے  
مٹیاد کا معاون تھا پاسبان ہمارا  
شاہِ جہاں کی مسجد تاج اور لال قلعہ  
بھارت میں یہ رکھیں گے قائم نشاں ہمارا



پہلو میں بنت کدے کے ہم نے حرم بنایا  
خالی ہوا بتوں سے پاک آستان ہمارا  
ہم کو مٹانے والے فرخ مٹیں گے خود ہی  
باقی سدا رہے گا نام و نشان ہمارا  
(فرخ امرتسری)

کے مراد پاکستان

# زعیم پاکستان

قائد اعظم محمد علی جناح اہل قلم تھے۔ ان کی سیف زبان کے جوہر دشمنوں کے منصوبوں، مخالفانہ عزائم کو موت کی نیند سلا دیتے تھے۔ انہوں نے اپنی خدا داد قابلیت اور بہادرانہ عزیمت سے ۳۰ کروڑ ہندوؤں اور پانچ کروڑ انگریزوں کا اس خوبی سے مقابلہ کیا۔ اور ایسی عالم آشکار شکست دی کہ دنیا عیش عیش کر اٹھی۔ چھ سات سال کے قلیل عرصہ میں ایک جدید اسلامی سلطنت قائم کر دی۔ جو عالم اسلام میں سب سے عظیم اور دنیا کی پانچویں بڑی سلطنت ہے۔

انہوں نے ایک بوسیدہ قوم میں زندگی کی روح پیدا کر دی یا یوں کہئے۔ کہ دس کروڑ مسلمانان ہند کی نیم جان قوم میں روح

بن کر اس کو دنیا کی ایک زندہ قوم بنا دیا۔

وہ کہیں سال، لاکھوں آدمی اور نجی کمزور انسان تھے۔ انہوں نے پاکستان کو ایک سربر آوردہ ملک اور مسلمانوں کو حقیقی مسلمان بنانے کے لئے اس قدر کام کیا۔ اور تمام پاکستان میں پھر کمانی جدوجہد کی۔ جو ایک زبردست۔ جوان اور مضبوط شخص نہیں کر سکتا تھا۔ مرض کے دورے ہو رہے ہیں۔ لیکن ان کا دماغ پاکستان کے استحکام و بقا کے فکر میں منہمک ہے۔ طاقت جواب دے رہی۔ مگر وہ نظام سلطنت کے دوام کے متعلق تجاویز قلمبند کر رہے ہیں۔ اور آخر اسی جہاد میں اپنی جان عزیز قوم پر نثار کر کے کھج مزار میں آرام کی نیند سو گئے۔

وہ حاضرہ میں وہ ایک نایاب اور بے بہا ہستی تھی۔ جس نے اپنی قربانی سے افرادِ بلیت اور جوانانِ قوم کے سامنے ایک روشن اور تابناک مثال قائم کر دی۔ جو اس تاریک پر آشوب دنیا میں مشعلِ راہ بن کر مسلمانانِ عالم کی رہنمائی کرے گی۔ تھا حضرت قائدِ اعظم کو حینتِ الفردوس میں اُن تیریں مقامِ عطا فرمائے کیونکہ انہوں نے دس کروڑ حلقہ بگوشانِ اسلام کو کفر زار ہند میں غلامی بے دینی کے مرض میں مبتلا دیکھ کر اپنی جان قربان کر دی۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پر روتی ہے  
چمن میں جب کہیں ہوتا ہے کوئی دیدہ ور پیدا

## وہ ناخدا !

اس کی نگہ سے موجِ بلا پاش پاش تھی  
سیلابِ بے پناہ میں ساحل تراش تھی  
کشتی میں تھا وہ عزم کا دریائے ہوئے  
کشتی تھیں اس کے ہاتھ سے طعنان کی رگیں  
فرعونیت کی ظلمتِ ہامان کی رگیں  
گویا کلیم تھا یدِ بیضا لے ہوئے  
ہر داخلی و خارجی طوفان سے محورِ عزم  
بڑھتا چلا گیا سوتے ساحل اسی کا عزم  
سر میں ادا ہے فرض کا سوا لے ہوئے  
ملت کو گمراہی سے بچاتا ہوا بڑھا  
تاریکیوں میں شمع جلاتا ہوا بڑھا  
علم و یقین و دیدہ بینا لے ہوئے

موجیں اٹھیں۔ لپک کے بڑھے کام صد ہنگ  
وہ دشمنانِ دیں سے لڑا جنگ بید رنگ  
ادراکِ بے مثال کا حربہ لئے ہوئے

طوفانِ برق و باد کا منہ توڑتا ہوا!  
تخنے اکھڑ رہے تھے۔ انہیں جوڑتا ہوا  
نکلا بھنور سے قوم کا بیڑا لئے ہوئے

کشتی پہنچ رہی تھی سرِ ساحلِ مراد  
ہم اس کو داد دیتے تھے کہہ کہہ کے زند باد  
نعروں میں شورِ حوصلہ افزا لئے ہوئے

اس نا خدا کو دستِ خدا نے اٹھا لیا  
غازی کو بڑھ کے سایہِ رحمت نے چھا لیا  
وہ اٹک گیا شہید کا رتبہ لئے ہوئے

تیرہ شبی میں دے کے ہمیں جلوہٴ صباح  
رعصت ہوا حفیظ۔ محمد علی جناح  
دنیا سے کامرانی عقیقے لئے ہوئے

(حفیظ جالندھری)



## صدیقِ دکن

ہزاروں سال کے غلاموں کو جیب ہندوستان کی سلطنت  
لی۔ تو ان کے حواس بجا نہ رہے۔ ان کی آنکھیں تمام دنیا پر حریفانہ  
نگاہوں سے دیکھنے لگیں۔ ان پر جوع الارض کے افسوسناک مرض  
نے بے پناہ حملہ کیا۔ وہ امریکہ، برطانیہ اور روس کی عظمت و  
جبروت اور ثروت و جلالت کے خواب دیکھنے لگے۔ انہوں نے  
”یونائیٹڈ سٹیٹس امریکہ“ کے مقابلہ میں ”انڈین یونین“ کا ڈھونگ  
رچایا۔ ہندوستان کی تمام ریاستوں کو مطیع و متقاو بنایا۔ سلطنت  
حیدرآباد جو ایک آزاد مملکت تھی۔ اور اس کا فرمانروا برطانیہ کا  
یار و فادار تھا۔ بھارت کی چہرہ دستی سے محفوظ نہ رہ سکا۔ اس  
نے تقسیم کا اعلان ہوتے ہی اپنی آزادی کا اعلان کر دیا۔ لیکن

بھارت ایک اسلامی ملک کو اپنی سلطنت کے اندر قائم و برقرار  
 رکھنا کب گوارا کر سکتا تھا۔ اس نے نظام و کن پیہ و باؤ و الٹاؤ  
 اسے اپنا حلقہ بگوش بننے کے لئے مجبور کرنا شروع کر دیا۔  
 حیدرآباد اگر کسی سرحد پر ہوتا تو بھارت کے حریفانہ حملہ  
 سے محفوظ رہتا لیکن بد قسمتی سے اس کا محل وقوع ہندوستانی رقبہ  
 میں تھا۔ نہ وہ آزادی سے اس کا مقابلہ کر سکتا تھا نہ آئینی یا غیر  
 آئینی طور سے اس کو کسی بیرونی اسلاد کی توقع تھی۔ تاہم حیدرآباد  
 کے ارباب بست و کشاد اس خطرہ سے بے خبر نہ تھے۔ انہوں  
 نے وقت ضرورت کے لئے سامان حرب کی فراہمی اور فوجی  
 تیاری کر رکھی تھی۔ مگر سلطنت کے مخلص اور محب وطن آزاد  
 اشخاص بھی مدافعت وطن کے لئے ہر وقت کوشاں تھے چنانچہ  
 سید قاسم رضوی نے ۵ لاکھ رضا کار سرحدی حملوں کے مقابلہ  
 کے لئے تیار کیے۔

سید قاسم رضوی کون تھے؟ یوپی کے ایک معزز گھرانے کے  
 چشم و چراغ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے تعلیم یافتہ، ایک قابل ترین  
 قانون دان۔ حیدرآباد و کن کے ضلع عثمان آباد کے صدر مقام لاہور  
 میں مقیم ہو گئے اور وکالت شروع کر دی اور مقامی وکلا میں بہت

جلد نام پیدا کر لیا۔ اس زمانہ میں عثمان آباد سرحدی مقام ہونے کی حیثیت سے آریہ سماج کی تحریک کا آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ آپ نے وہاں ایک پارٹی منظم کر کے اس تحریک کو چلا۔ قائد ملت نواب بہادر یار جنگ مرحوم نے جب مجلس اتحاد المسلمین کی اصلاح میں تنظیم شروع کی۔ تو آپ صوبائی مجلس کے صدر منتخب ہوئے، جب نواب بہادر یار جنگ نے مجلس اتحاد المسلمین کے لئے پانچ لاکھ روپیہ کی رقم تو سید قاسم رضوی نے تیرہ سو سال کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ کی یاد تازہ کر دی۔ انہوں نے اپنا مکان، سامان، روپیہ۔ جا بجا سب کچھ مجلس کی نذر کر دیا۔ صرف اپنے اور بیوی بچوں کے کپڑے جو بدن پر تھے رکھے۔ اس اشارے سے متاثر ہو کر نواب بہادر یار جنگ نے انہیں صدیق دکن کے لقب سے نوازا۔ اور مجلس اتحاد المسلمین کے صدر منتخب ہوئے۔

حیدرآباد کے صدر المہام اس زمانہ میں سر مرزا محمد اسماعیل تھے وہ ہندوستان کے ساتھ حیدرآباد کے الحاق کے حق میں تھے۔ سید صاحب نے مرزا صاحب کو اس منصب سے ہٹانے کا مطالبہ کیا۔ بالآخر ۹ ماہ کے بعد مرزا صاحب حیدرآباد سے تشریف لے گئے اس کے بعد نواب پھتاری صدر اعظم بنے۔ نواب پھتاری

سرواٹن مونکٹن اور سر سلطان احمد جیدر آباد کے الحاق کی دستاویز پر دستخط کرنے کے لئے آرٹ رہے تھے تو سید صاحب کے ارشاد پر عوام نے طیارہ ہی روک لیا۔ ادھر ہندو پاکستان کے قیام کے بعد جیدر آباد نے اپنی آزادی کا اعلان کر دیا۔ اور میر لائق علی صدر عظیم اور مجلس کے دو چار ارکان وزیر بنے۔ اب گویا جیدر آباد کی زمام حکومت سید صاحب کے ہاتھ میں تھی۔ اور سرکاری فوج کے علاوہ پانچ لاکھ رعنا کاران کے اشارے پر جانیں دینے کے لئے تیار تھے۔ مگر انہیں نظام کا احترام اور سلطنت کا وقار ملحوظ تھا۔ اور وقت کے منتظر تھے۔

ہندوستان کے ارباب اقتدار اندر ہی اندر سازشوں میں مصروف تھے۔ ۱۲ ستمبر ۱۹۴۸ء کی رات کو جبکہ حضرت قائد اعظم کو آغوشِ لحد میں لٹا دیا گیا تھا۔ ہندوستانی افواج پولیس ایکشن کے بہانے حد دریاست میں داخل ہو گئیں اور ۱۲ ستمبر کو ہندوستانی افواج نے سترہ اطرات سے حملہ کر دیا۔ ریاستی افواج مقابلہ کے لئے میدان میں نہ آئیں۔ کیونکہ ریاست کا کمانڈر انچیف احمد علی نے غداری کی۔ اور وہ ہندوستانی سازش میں شریک تھا یہ کیفیت دیکھ کر رضاروں کی رگِ حمیت جوش میں آئی۔ اور



وہ مقابلے کے لئے میدان میں نکل آئے۔ ہزاروں نے اپنی جانیں  
 قربان کیں۔ مگر ان کا جوش و ولولہ کس طرح کامیاب ہو سکتا تھا جبکہ  
 حیدر آباد کا فرمانروا نہرو پٹیل کے آگے تسلیم خم کر چکا تھا۔ ولی عہد  
 بہادر ہندوگانگرس کے دائم تر ویر میں اسیر تھے۔ شاہی خاندان  
 بے بس و معذور۔ کمانڈر انچیف غدار۔ ۱۹ ستمبر کو حیدر آبادی افواج  
 نے معمولی نمائش کے بعد ہتھیار ڈال دیے اور ۱۹ ستمبر کو سید قاسم رضوی  
 مجلس اتحاد المسلمین کے صدر مقام دارالسلام گرفتار کئے گئے۔

تقریباً دو سال سید صاحب کو مجبوس رکھا گیا اور عدالتی  
 ڈرامہ کھیلا گیا۔ آخر بتاریخ ۱۹ ستمبر ۱۹۴۷ء کو انہیں شعیب اللہ خان  
 مدیر امروہ کے قتل میں اعانت اور بی بی نگر و کیتی کے سلسلہ میں  
 عمر قید با مشقت اور مزید سات سال کی قید کی سزا دی گئی۔  
 یہ سزا غیر متوقع نہیں تھی۔ اگر سزائے موت بھی دی جاتی تو  
 انہیں کون روک سکتا تھا۔ سب سوچی سمجھی بات تھی۔ "ج" طوطی  
 ورپس آئینہ" تھا۔ جو اسے "اشادان بھارت" نے پڑھایا تھا وہی  
 لکھ دیا۔

دوران مقدمہ میں سید صاحب نے جو روش اختیار کی۔ وہ  
 ان کے بلند کردار کی آئینہ دار اور شان قلندری کی منظر تھی انہوں



نے تاریخ میں جو جگہ بنائی تھی بنا چکے۔ ان کا فیصلہ حیدرآباد یا ہندوستان  
 کا کوئی جج نہیں لکھ سکتا۔ ان کا فیصلہ چند سال بعد بڑا عظیم ہندوستان  
 کی تاریخ لکھنے والا مورخ لکھے گا۔ اور کوئی دیانتدار مورخ انہیں وہ  
 جگہ دینے سے انکار نہیں کر سکتا۔ جو جگہ تاریخ میں اس سے پہلے  
 سلطان ٹیپو کو دی جا چکی ہے

اگر مان لیا جائے کہ قاسم رضوی ہندوستان کے مجرم ہیں مگر  
 یہ جرم اس جرم سے مختلف نہیں۔ جو تیس سال تک انگریزوں کی  
 نظر میں خود پینڈت جو اہر لال نہرو کا جرم رہا۔ ان کے والد محترم  
 موٹی لال نہرو اسی جرم کا ارتکاب کرتے سرگباش ہوئے۔ سید قائم  
 رضوی نے وہی کچھ کیا۔ جو بہادر شاہ ظفر اور رانی جھانسی نے پہلی  
 جنگ آزادی میں ہندوستان کے لئے کرنے کی کوشش کی۔ قاسم  
 رضوی نے ان دو مجاہدین کے نقش قدم پر چلتے ہوئے۔ دارورسن  
 کو دعوت دی۔ افسوس! کہ پینڈت نہرو نے اپنے لئے نکلسن اور  
 لارنس کی راہ پسند فرمائی۔ اور قاسم رضوی کو عمر قید کر کے اپنی  
 حریت پسندی اور آزاد خیالی کا بھانڈا پھوڑ دیا۔

# وہ

یارب! مجھے بیدار ہی ہنگامِ سحر دے  
نالوں کو رسا کر۔ میری آہوں میں اٹھ دے  
اب آج پہ چمکا میری قسمت کا ستارہ  
تا بانیِ خورشید۔ تجلیِ قمر دے  
یورش ہے میری دادیوں میں زارغ وزغن کی  
پر شورِ فضا ہے مجھے شاہیں کا جگر دے  
ستور رہیں مجھ پہ نہ اسرارِ حقیقت  
وہ چشمِ بصیرت۔ وہ تجسس کی نظر دے  
محرّم گل و برگ نہ رکھ شاخِ رجا کو  
کہ سبز۔ میرے نخلِ تمنا کو مژدے  
کر وصفِ عطا دیدہ گریاں کو صدق کا  
پیتاب سرشکوں کو میرے تاب کر دے  
پر وازِ تخیل ہو میری عرشِ بریں تک  
میں طائرِ بے بال ہوں جبریل کے پروے  
بایوس نہ جلے تیرے دربار سے فرخ  
دامانِ تہی دولتِ امید سے بھر دے

(مطبوعہ انشا پریس لاہور)

# اسلام کے جاننا

DATA ENTERED

فرخ امرتسری

قیمت دو روپے

ناشران - لائین پریس لاہور